اس طرح اُنھوں نے صرف دوسری زبانوں سے استفادہ ہی نہیں کیا بلکہ ان زبانوں کے ادب پاروں سے بھی مستفید ہوئے ہیں اور قارئین کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا ہے۔ "حدیث خواب" میں ان کی شاعری کی وہ تمام خوبیاں اور محاسن دیکھے جا سکتے ہیں جو ان سے مخصوص ہیں۔

حسین ثاقب

عبدالعزیز خالد کا شمار اُردو کے بسیار گو شعرا میں ہوتا ہے۔

بلکہ اگر انہیں اُردو کا واحد انبار گو شاعر کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ خالد نے ہر موضوع پہ شاعری کی ہے۔ اساطیر سے لے کر مزامیر تک اور سیرتِ رسولؐ سے لے کر عشقِ مجازی تک ہر موضوع کو خالد نے اپنی شاعری میں سمیٹا ہے۔ اپنے معاصرین میں عبدالعزیز خالد سب سے زیادہ پُرگو ہیں۔ اس میں ان کی طبیعت کے زور اور ان کے فکر کی روانی کو خاصا دخل ہے۔ تراکیب کی جدت، الفاظ کی فراوانی اور اظہار کے اچھوتے پن نے خالد کے شعر کو قابلِ قدر بنا دیا ہے۔ اُنھوں نے نہ صرف یہ کہ نئے الفاظ تراشے ہیں اور انہیں شعر کیا ہے بلکہ دوسری زبانوں خصوصاً عربی سے بھی اکتساب کیا ہے۔ اس سے اُنھوں نے اُردو کے دامن کو وسعت دی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خالد مشکل پسند شاعر ہیں لیکن خالد نے شاعری کے لیے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے انھیں دیکھ کر خالد کی مشکل پسندی کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ خالد نے جن تلمیحات کو اپنی شاعری کی زینت بنایا ہے ان کی موزونی بھی مشکل زبان کی متقاضی ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خالد کے افکار اور ان کے بیان میں ندرت تازگی اور زندگی اپنی بھرپور صورت میں موجود ہے اور وہ علم کے بحرِ بے پایاں کے شناور اور ارض و سما کی حکمتوں سے آگاہ ہیں۔

زیرِ تبصرہ مجموعۂ کلام میں خالد کی غزل سے متعارف ہونے کا موقع بھی ملتا ہے۔ خالد نے ایک غزل میں مختلف مضامین اس طرح جمع کیے ہیں کہ غزل کی ہر جہت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔

نشے کے رنگ جمے خوابناک آنکھوں میں
دوپٹہ کاندھے سے ڈھلکا قبا کا بند کھلا
اطاعتِ نبیؐ پاک ہے اطاعتِ حق
ثنائے احمدِ مختار ہے ثنائے خدا

نہید الاسلام سید

کھلائے مُوئے قلم نقشہائے بُوقلموں

عبد العزیز خالد کی شاعری کو فنی لحاظ سے پرکھا جائے تو تشبیہوں، استعاروں اور تلازمات کے رچاؤ میں کامیاب نظر آتی ہے۔ نہ صرف نئے شعری روابط تخلیق کیے گئے ہیں بلکہ لفظوں کو علامتی روپ بھی دیا ہے جو بالواسطہ اظہار میں نہ صرف اہم وسیلہ بن گئے ہیں بلکہ ان سب نے شاعر کے فکری نظام اور اس کے داخل میں پروان چڑھنے والے احساسات و جذبات کو بھی ایک نیا آئینہ مہیا کر دیا ہے۔ عبد العزیز خالد جو علامتیں اپنی نظموں میں لاشعوری طور پر بار بار استعمال کرتے ہیں نہ صرف جدید اُردو نظم کی گرہ کشا ثابت ہوتی ہیں بلکہ شاعر کے مزاج اور اس کی سائیکی کی جزئیات کی دریافت میں بھی معاونت کرتی ہیں۔ اس زاویے سے دیکھئے تو جدید اُردو شاعری میں نظم کا مرکزی خیال ہی اہم نہیں ہوتا بلکہ وہ علامتیں بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں جن کی اساس پر شاعر مرکزی خیال کو واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

زیرِ نظر شعری مجموعہ "حدیثِ خواب" دوسری دفعہ طبع ہوا ہے۔ شاعر نے انتساب "یادِ خوبانِ دلارام کے نام" کیا ہے۔ حدیثِ خواب کی بیشتر نظمیں اور غزلیں محبوب کی قربت میں گزارے ہوئے وہ غیر فانی لمحات ہیں جنھیں بھول جانا شاعر کے بس میں نہیں ہے۔

آئی آواز جونہی کُو کُو کی
میں نے دُور تک سوائے اُفق دیکھا
صبح کے چاند کے سوا کچھ بھی
تو نہ تھا، چاندنی پکاری تھی؟

چاند پانی میں لہریں لیتا ہے
چاندنی کی وہ چاہنے والی
جانے کرنیں بکھیرتی ہے کہاں؟

شاعر نے نظم کے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا چناؤ کیا ہے۔ ایسے الفاظ اور تراکیب کا سہارا لیا ہے جو بحرِ بلور

امیجز ترتیب دے سکیں، چاہے وہ کلاسیکیت کے زمرے ہی میں کیوں نہ آتے ہوں۔ غور کیجیے۔ صبح کے چاند کو چاندنی کی پکار کہنا اور آواز کو کوکو سے تشبیہہ دینا کتنی جاندار حقیقت نگاری ہے۔ اسی طرح چاند کا پانی میں لہریں لینا، چاند کی چاہنے والی کا کزنیں اور کہیں بکھیرنا، کتنی عمدہ مثالیں ہیں۔

ہندو دیو مالا میں ترمورتی کا تصور ملتا ہے جس کے مطالعے سے یہ بات کھلتی ہے کہ وشنو، کرشن، شیو کا ایک ہی مزاج ہے۔ وشنو کی کئی محبوبائیں ہیں۔ کرشن، رادھا کے علاوہ کئی گوپیاں رکھتا ہے۔ اور شیو کی بھی بہت سی بیویاں ہیں۔ عبدالعزیز خالد کے اردگرد حسیناؤں کی گوپیاں جمع ہیں۔ نظم برزخ، اساطیری کردار کے حوالے سے ایک بھرپور نظم ہے۔ یہ نظم ایک تصویر کو سامنے لاتی ہے۔ یہ تصویر عظیم حسینہ کی ہے۔ انتہائے عشق کی علامت ہے۔ شاعر نے حسینہ کے پورٹریٹ کو کینوس پر پیش کرتے وقت اس بات کا التزام کیا ہے کہ فراق کے بیچ حسینہ کا گداز جسم یوں کسمسا رہا جیسے اُسے پیا ملن کے جانا ہے۔ یہ نظم ایک والہانہ جذبے کی عکاس ہے۔ حسینہ کے قدم اٹھتے نظر آتے ہیں۔ پاؤں تھرکتے ہیں اور بعد میں سارا وجود رقص کناں نظر آتا ہے یعنی اس کا یہ مطلب ہے کہ شاعر ہی اس کا محبوب ہے۔ اس مرحلے میں حسینہ نے خود ہی وحشت، تندی اور جنوں پیدا کر لیا ہے۔

یونہی سرگوشیاں کرتی، یونہی بکتی جھکتی
پرفشاں جگنوؤں کو سحر زدہ سی تکتی
خود بخود روٹھتی آپ ہی منتی
شاخ کی طرح لچکتی، تنتی
زلف کی طرح بگڑتی، بنتی
بات کی طرح اٹکتی، کٹتی
کبھی بڑھتی، کبھی پیچھے ہٹتی

گرچہ مورت کی طرح چُپ ہوں مگر اے متنفسو!
مجھے دیوار نہ سمجھو!
مجھے پتھر نہ کہو!

شاعر ہی اُس کا محبوب ہے جس کے سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے وہ سپنے دیکھتی ہے۔ اس کی نگاہوں میں چاہت ہے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر رفاقت اور ہم سفری کی دعوت کا اشارہ بھی۔ ناقابلِ برداشت جدائی کے سامنے وہ سپر انداز ہوتی نظر آتی ہے۔ گویا وہ اقدار سے مملو تخیلی زندگی کا اقدار سے تہی مادّی زندگی کے ساتھ شدید ٹکراؤ کا شکار نظر آتی ہے۔ دراصل اس نظم کا بنیادی خیال ہی قدروں کی شکست و ریخت پر یاس و غم کا کرب انگیز اظہار ہے۔ جس طرح بغیر روح زندگی

برقرار نہیں رہتی اسی طرح بغیر اقدار کے انسانیت دم توڑ دیتی ہے۔ بیان کی سادگی اور امیجز کی تازگی سے نظم کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔

آخر میں غزل کے بارے میں عبدالعزیز خالد نے اپنے اندر تحت الشعور کی ایک وسیع دنیا کا سراغ لگایا ہے جو بذاتِ خود نامعلوم صدیوں اور انجانی تہذیبوں کا نچوڑ اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ ان کی غزل کا موضوعاتی کینوس بے حد وسیع ہو گیا ہے۔ وہ جدید شاعری کی معنوی وسعتوں کا ابلاغ، علامتوں، ذہنی پیکروں اور استعاروں کی مدد سے کرتے ہیں۔ وہ ماورائی یا مابعد الطبیعاتی تجربات کے اظہار کے لیے مروجہ معانی کو ناکافی سمجھتے ہیں، اس لیے وہ استعارے اور تصویری پیکر استعمال کرتے ہیں۔ "حدیثِ خواب" کی کامیاب پیش کش پر عبدالعزیز خالد مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ادیب سہیل

"حدیث خواب" شاعر عبدالعزیز خالد کا تازہ شعری مجموعہ ہے۔ لہجے کی انفرادیت اور تحریر کی گنگا جمنی اب ان کی پہچان بن گئی ہے۔ ان کے اشعار میں کئی خاندانوں کے الفاظ کی بچھائی اس سلیقے سے ترتیب پائی ہے کہ نہ الفاظ آپس میں دست و گریباں معلوم ہوتے ہیں یا اجنبی لگتے ہیں اور نہ ہی ان کے اَن مل بے جوڑ ہونے کا قاری کو احساس ہوتا ہے۔ اشعار میں اس طرح کی خوبی صرف اس بنا پر آئی ہے کہ اس کا شاعر کئی زبانوں میں قدرت کی حد تک دست رس رکھتا ہے۔ اس قدرت کا اندازہ "حدیث خواب" کی پہلی نظم "حکایت نے" سے ہو جاتا ہے۔ جسے خوبان دلآرام کا نگارخانہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس نگارخانے میں چاہت کے حوالے سے دنیا بھر کے چاہنے اور چاہے جانے والے لوگوں کو اپنے لیجنڈ اور خواص کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔ ان میں دیومالائی کردار ہیں، لوک داستانوں کے افراد ہیں۔ مختلف ادوار کے حکمران ہیں اور حافظ شیرازی، قطب قلی شاہ دکنی شیکسپیئر اور ملٹن جیسے شعرا بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ دنیا بھر کی محبت کرنے والی اہم شخصیتیں یہاں موجود ہیں۔

عبدالعزیز خالد نے اس مجموعے میں مختصر ترین یعنی تین مصرعوں کی نظموں کا بھی تجربہ کیا ہے لیکن ان کا جوہر طویل نظموں ہی میں کھلتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ خالد وسیع کینوس کے شاعر ہیں۔ ان کی فکری اڑان کے لیے تنگنائے "ثلاثی" یا تین مصرعے کافی نہیں۔ کتاب اپنی الگ فضا رکھتی ہے۔

مقبول جہانگیر

حدیثِ خواب عبدالعزیز خالد کی قدرتِ کلام و بیان کا ایک تازہ شاہکار بن کر سامنے آئی ہے۔ خالد صاحب کے بارے میں اب دو رائیں نہیں رہیں پاکستان کے علمی و ادبی حلقوں سے نکل کر ان کی ناموری کا دائرہ یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکا ہے اور شنید ہے کہ ان ملکوں میں خالد صاحب پر نہ صرف تحقیق ہو رہی ہے بلکہ ان کا کلام یورپ کی زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ

اعزاز ہے جو بہت کم پاکستانی شعرا کے حصّے میں آیا ہے۔ عبدالعزیز خالد اس میں شک نہیں کہ بے پناہ کہتے ہیں اور ہر صنفِ سخن میں ان کا کلام موجود ہے جسے معجز نظام کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا ایسے شان و شکوہ کے شاعر کسی بھی ملک اور قوم کے لیے باعثِ فخر ہوتے ہیں۔ الفاظ کا ایک بحرِ بیکراں ہے جو اُن کے دستِ قدرت میں ہے اور استعارات و تشبیہات اُن کے سامنے ہاتھ باندھے حاضر رہتی ہیں۔ کلام میں دریا کی سی روانی اور ان تمام عیوب و نقائص سے پاک صاف جو اکثر بزعمِ خود بڑے بڑے شعرا کے ہاں پائی جاتی ہیں خالد صاحب ہفت زبان شاعر ہیں، عربی، فارسی، بھاشا، سنسکرت، عبرانی غرض ایک زبان ہو تو کہا جائے۔ زندہ و مردہ زبانوں کے لاتعداد الفاظ ان کے نہاں خانۂ دماغ میں ایک عظیم الشّان لائبریری کی طرح ترتیب و سلیقے سے سجے رہتے ہیں۔ جس لفظ کو جہاں جی چاہا اسے بے تکلفی سے استعمال کیا کہ باذوق طبیعتیں عش عش کر اُٹھتی ہیں۔ تلمیحات کے وہ بادشاہ ہیں اور قرآن و حدیث پر ان کی نگاہ گہری ہے۔ اساطیری داستانوں کے حافظ اور ان کے کرداروں کا تذکرہ اس پُر لطف انداز سے اپنے اشعار میں کرتے ہیں کہ یہ کردار زندہ و تابندہ ہو کر فارسی کے سامنے آن کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس انداز اور اس طرز میں وہ اپنے فن کے خود ہی موجد اور خود ہی خاتم ہیں۔ حدیثِ خواب میں ان کے فن و ہنر کا کمال عروج پر ہے۔ نظموں اور غزلوں کا یہ حسین مجموعہ ویسا ہی دیدہ زیب ہے جیسے خود عبدالعزیز خالد کی دلآویز شخصیت ہے۔

مُنیر قصوری

جناب عبدالعزیز خالد ایک کثیر المطالعہ اور کہنہ مشق شاعر ہی نہیں بسیار گو بھی ہیں۔ ان کی باقی کتابوں کی طرح حدیثِ خواب بھی ان کی کثرتِ مطالعہ کی غمّاز ہے۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں ؎

مجھ کو ازبر ہیں حکایاتِ عرب
قصّہ ہائے ہند و یُونان و عجم

خالد صاحب ایک صاحب اسلوب اور ہفت زبان شاعر ہیں۔ اُنھوں نے جہاں اُردو زبان کو نیا ذخیرۂ الفاظ دیا ہے وہاں اس کا دامن مختلف موضوعات کے فکری تنوّع سے بھی بھرا ہے۔ حدیثِ خواب کی پہلی نظم "حکایت نے" اس لحاظ سے نہایت خوبصورت نظم ہے کہ یہ خالد صاحب کی وسعتِ مطالعہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ دنیائے عشق کی ممتاز شخصیات کے ناموں پر مشتمل ایک جامع فہرست ہے۔ اس کا تقریباً ہر شعر اپنے اندر عشق کی ایک طویل داستان لیے ہوتے ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نظم خوبصورت تلمیحات کا مرقّع ہے۔ میرا خیال ہے اس نظم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر خالد صاحب کو تلمیحات کا شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حدیثِ خواب کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ خالد صاحب نے اس مجموعے میں اپنے دیگر مجموعوں کی نسبت زیادہ آسان فہم اسلوب اختیار کیا ہے جس پر مترنّم بحروں کے استعمال نے اسے اور بھی خوبصورت بنا دیا ہے اس کتاب کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں طویل نظمیں ہی نہیں دو دو تین تین مصرعوں پر مشتمل نظمیں بھی ہیں جو اپنی جگہ بہت دلکش ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ خالد صاحب نے اس تغزّل سے اپنے پیرایۂ بیان کو نکھارنے میں بہت کام لیا ہے اس سے لیے حدیث خواب اپنے جمالیاتی اور فکری اعتبار سے ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔ اس کی افادیت سے انکار اس لیے بھی ممکن نہیں کہ یہ خالد صاحب کی شاعری میں ایک نئے موڑ کی نشاندھی کرتی ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ خالد صاحب کا یہ مجموعہ ہمارے اُردو ادب میں ایک عمدہ اضافہ ہی نہیں شائقین کلام خالد کے لیے بھی یقیناً دلکش اور جاذب نظر ہوگا کہ اس کی نظموں میں حکایت نے، سوغات، محاورۂ عجین وحشت، شام، چُپ، کہاں، بتاؤ، پکار اور دیگر غزلیں قاری کو ان کے بار بار پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

جنگ فورم کے زیر اہتمام مذاکرہ

میزبان: عبدالعزیز خالد ایک نایاب شعری مزاج کے نمائندہ ہیں ہفت خواں اور ہفت زبان عبدالعزیز خالد کا پورا شعری ادب جو اپنے میعار کے ساتھ حیران کُن مقدار میں بھی سامنے آیا ہے دُنیا کے بڑے ادب کے اثرات سے مملو ہے اور علوم کی مختلف دنیاؤں سے اپنے موضوعات کشید کرتا ہے ان کی لفظیات اتنی متنوّع ہیں کہ ان میں رنگوں کا ایک جہاں جلوہ گر ہوتا ہے وہ ایک مشکل پسند شاعر ہیں ان کو سمجھنے کے لیے ادب اور علوم پر گہری نظر ہونی چاہیئے۔ آج ہم ان کے تازہ شعری مجموعہ "حدیث خواب" پر بات کریں گے۔ میں سب سے پہلے جناب غلام رسول ازہر سے درخواست کروں گا کہ وہ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

غلام رسول ازہر ——— خالد کے شعر کی اساس اس کے گہرے شعور و وجدان، غیر معمولی ذوق علم و مطالعہ، مستقل مجاہدہ، ہفت زبان لغوی سرمایہ اور منفرد عالمانہ اسلوب پر ہے۔ شاعری اس کا عشق اور وظیفۂ زندگی ہے وہ ایک راہب کی طرح شب و روز شعری تپسیا میں مشغول اور نروان کے حصول میں منہمک ہے وہ کسی مرحلہ پر بھی رکتا، اکتاتا یا جھلاتا نہیں۔ وہ مربوط اور منضبط فنکار ہے اور ہمہ اصناف شاعر ہے اس کی ہر منزل، منزل نما ہے اور وہ یوں اپنی طویل فنی زندگی کے شعری سفر میں کشمکش آرزوئے ابدیت لیے ہر آن رواں دواں ہے۔

صرصرِ وقت سے جب مشعلِ دل بجھ جائے
کیا مرا فن بھی مرے ساتھ ہی کھو جائے گا
مرقدِ خاک میں سو جائے گا
یا جلا بخشے گا ایّام کے ایوانوں کو

خالد مانگے تانگے کے چند حروف، اور گھسے پٹے موضوعات کا نیم خواندہ روایتی انداز کا شاعر نہیں۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بہت پڑھا لکھا اور ایک ایسا خود آگاہ اور باشعور شاعر ہے جس نے بہت سی زبانوں، تہذیبوں، عالمی کلاسیکی ادب اور اساطیر و اصنامیات کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور عرب و عجم کی تہذیبی آگہی سے اپنے دیدہ و دل کی پرورش کی ہے۔ اس لیے اس کی شاعری کا تناظر وسیع، متنوع اور جملہ اصناف سخن، تمثیلی ڈراما، طویل نظم، مختصر نظم، غزل، رباعی، دوہے، نعت اور ترجمہ وغیرہ پر محیط ہے اور اس کی مشکل پسند افتادِ طبع، ریاضت نفس، وسعت علم اور شعور و آگہی کے عین مطابق ہے۔ خوب سے خوب تر کا ذوق سفر اسے علمی و تہذیبی وادیوں میں لیے پھرتا ہے اور ہمیں نئے حروف لہجوں اور ہستیوں کے سانچوں سے روشناس کراتا رہتا ہے ؎

تپ جستجو گہ مٹی آرزو　　　مری زندگانی نشید و نوا

خدا است زندہ شہید سخن　　　لہو سے جلاتا ہوں فن کا دیا

یہ کہنا کہ خالد کے ہاں مشکل الفاظ اور عربی مصرعوں کی بہتات ہے اس کی شاعری کے پس منظر میں قابل توجیہہ ہے کہ خالد عوامی سطح کا نہیں بلکہ مخصوص مزاج کے اہل علم کا شاعر ہے۔ نیز ہمارا المیّہ یہ ہے کہ ہم دن بدن اپنے علمی اور تہذیبی سوتوں سے نسبتاً دور اور عربی فارسی سے نفور ہوتے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتحال میں جب ہم خالد کے کلام میں عربی فارسی کے نامانوس اور مشکل الفاظ دیکھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ عام قاری تو ایک طرف اب تو ہمارا معتدبہ دانشور طبقہ بھی عربی فارسی سے کنارہ کش اُردو اور علاقائی زبانوں پر ہی اکتفا کرتا نظر آتا ہے حالانکہ ایسا کرنا اپنے علمی اور تہذیبی تناظر کو محدود کرنا اور اپنے شاندار ماضی کی درخشندہ علمی روایات اور ورثہ سے اپنے آپ کو محروم کرنا ہے جس میں سراسر ہمارا اپنا ہی نقصان ہے۔ خالد اس تہذیبی ورثہ اور اس کی اہمیّت کی پوری آگاہی رکھتا ہے اور وہ اسے بازیاب کرنے میں ہمہ تن محو ہے اور یہی سچّی لگن اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

خالد کی مبینہ مشکل گوئی کے تعصّب سے اگر صرف نظر کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ خالد کے ذخیرہ الفاظ میں سمندر کی سی وسعت ہے اور وہ عام فہم اور سلیس لہجہ میں بھی اسی طرح قادر الکلام ہے اور یہ کہ اس کی شاعری میں حسن، رس اور تاثیر ہے۔

زیر نظر حدیث خواب، خالد کا نمائندہ شعری مجموعہ اور چمن شعر میں بادِ نسیم کا جھونکا ہے خالد پختہ شعور اور اپنی تمام تر رعنائی خیال کے ساتھ اس میں جلوہ گر ہے۔ نظموں اور غزلوں میں جا بجا لطیف، نازک اور سہل ممتنع اشعار ہیں جو دل میں اُترتے جاتے ہیں ؎

راتوں کو نکلتا ہے کبھی چاند کے ہمراہ
وہ چہرہ کہ دیکھے جسے جگ بیت گیا ہے

اے پُر اسرار جھلملاتی شام
زینہ زینہ اُتر کے آتی شام
شام اے سانولی سلونی شام
رنگ کتنے ہیں تیرے کتنے نام

نمود صبح تازہ ہو رہی ہے
پرندے اُڑ چلے ہیں آشیاں سے
تجھے منزل پرے جائے گی اس کی
توقّع رکھ نہ میرِ کارواں سے
قلم ہے شہپرِ جبریل گویا
تعلّق ہے ہمیں بھی لامکاں سے

جو چاہو کرو ورقِ سادہ پہ تحریر
ہر لمحہ جو آتا ہے اچھوتا ہے نیا ہے

اور پھر اس شعر میں تو خالد معراجِ فکر و فن پر ہے ؎

کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی
وہ شورِ قیامت ہے کہ مثلِ دستِ دعا ہے

میزبان! جناب احمد ندیم قاسمی سے درخواست ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

احمد ندیم قاسمی: عبدالعزیز خالد اپنے ہم عصر شعراء سے قطعی طور پر مختلف اور منفرد شاعر ہیں۔ نہ صرف ان کی لفظیات شاعری کی مروجہ ڈکشن سے مختلف ہیں، بلکہ مسائل و موضوعات کے انتخاب اور فنی سطح پر ان سے نمٹنے کے اسالیب بھی بیشتر مختلف ہیں۔ لفظیات کی جدت اور انفرادیت سے خوفزدہ یا مشوّش یقیناً نہیں ہونا چاہیئے کہ آخر غالب کی لفظیات بھی تو مومن و ذوق سے مختلف تھیں اور اقبال کی لفظیات نے بھی اُردو شاعری کے قارئین کو شروع شروع میں پریشان کر دیا تھا، مگر آج غالب و اقبال کا اسلوبِ فن ہمارے معیارِ فن میں بدل چکا ہے۔ عبدالعزیز خالد بھی اگر شاعری میں نئے الفاظ لے کر آئے ہیں تو ان سے بدکنا تو یقیناً نہیں چاہیئے مگر انتظار ضرور کرنا چاہیئے کہ وہ اپنی لفظیات کو ایک مثبت روایت بنانے میں کامیاب ہوں گے یا انہیں محض ایک لسانی عجوبہ سمجھا جاتا رہے گا۔

عبدالعزیز خالد نے ردیف کے جبر سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے۔ اقبال کے بعد خالد ہی نے غیر مردّف غزلیں (اور نظمیں بھی) کہی ہیں۔ قوافی کی پابندی البتہ باقی ہے مگر ان میں بھی خالد کی ایج نے وسعت پیدا کر دی ہے۔ مثلاً وہ گلبدنی اور بے پیرہن کے قوافی میں انگریزی الفاظ "ہارمنی" اور "ہنی" کو بھی شامل کرنے میں تامل نہیں کرتے، اور یہ غلط بات نہیں ہے۔ اگر ہمیں اُردو شاعری کو "نثری نظم" کے نشیبوں میں گرنے سے بچانا ہے تو ہمیں پابندیوں کی گرہوں کو ڈھیلا کرنا ہوگا۔

جو آزادی خالد نے قوافی کے انتخاب میں برتی ہے، وہ ان کے موضوعات فن میں بھی موجود ہے۔ یوں سمجھئے کہ ان میں inhibition کم سے کم ہیں۔ جنس سے متعلق بعض باتوں کا اظہار وہ اتنے "کھلے ڈھلے" انداز میں کر جاتے ہیں کہ بعض جبینوں پر یقیناً شکنیں پڑ جاتی ہوں گی لیکن اگر ان شکنوں سے ڈر جائے تو شاعری ہی دم توڑ دے۔ بہر حال عبدالعزیز خالد اس معاملے میں بہت آزادہ روی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ مثبت قسم کی جرأت ہے۔

عبدالعزیز خالد صحیح معنوں میں ایک قادر الکلام، بلکہ قادر اللسانیات شاعر ہیں۔ اگر اردو کے موجودہ دور میں بعض شعراء سے ایک طویل نظم — صحیح معنوں میں ایک طویل نظم کی توقع کی جا سکتی ہے تو ان میں عبدالعزیز خالد کا نام سرفہرست ہے۔ ویسے تو "حدیث خواب" میں اس نوعیت کی متعدد نظمیں موجود ہیں جن سے عبدالعزیز خالد کے ساتھ وابستہ اس توقع کا ثبوت ملتا ہے مگر میں بطور خاص ایک نسبتاً طویل نظم کا ذکر کروں گا جس کا عنوان ہے، "نامہ نقش گر، اک پیکر تصویر کے نام" یہ نظم پڑھ کر آپ ان امکانات کا اندازہ بآسانی اور بخوبی لگا سکتے ہیں جو عبدالعزیز خالد کے سامنے کھلے ہیں۔

ایک اور جگہ انھوں نے کہا ہے۔

اس امتزاج کو ممکن ہے تم سمجھ نہ سکو
تمھیں تلاشِ طرب ہے مجھے تلاشِ کمال

میں عبدالعزیز خالد کے اس دعوے کی تائید اور تصدیق کرتا ہوں مگر ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ "تلاشِ کمال" کو "فرہنگ" سے الگ کر لیا کریں۔

یہ ایک غلط تاثر ہے کہ عبدالعزیز خالد محض لفظوں کا بازی گر ہے۔ ان کے ہاں فکر بھی ہے اور فن کی وہ رعنائی بھی جو شاعری کو فنون لطیفہ کے سب سے اونچے تخت پر بٹھاتی ہے۔ زندگی اور انسان کے بارے میں ان کے منضبط نظریات ہیں۔

عقل، حکمت سے ہو بے بہرہ، تو آشوب و فساد
علم، اخلاق سے عاری ہو تو آزار و سزا

اور پھر ان کا تغزل دیکھئے جو بعض مقامات پر سلطان باہوؒ کے اس مصرعے کے مصداق چھوٹ پڑتا ہے ؎

اندر بوٹی مشک مچایا، مری جان پھلن تے آئی ہُو

اور ان بہت سے خوبصورت اشعار میں سے چند اشعار یہ ہیں ؎

کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی
وہ شور قیامت ہے کہ مثلِ دستِ دعا ہے

راتوں کو نکلتا ہے کبھی چاند کے ہمراہ
وہ چہرہ کہ دیکھے جسے اک بیت گیا ہے

نہ درد کا کوئی درماں، نہ زخم کا کوئی مرہم
خرابِ ہجر کے کیسے اکیلے پار کرو گے؟

کبھی تو آ چکے وہ ساعتِ سعید کہ جب تم
حسابِ بیش و کم عمرِ مستعار کرو گے!

جو شخص اتنے بھرپور، قلب و ذہن کو گرفت میں لے لینے والے اتنے رسیلے اور چوٹیلے شعر کہہ سکتا ہے اس کی قادر الکلامی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے؟

میزبان! اب میں جناب محمد اجمل نیازی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ "حدیثِ خواب" کے بارے میں بات کریں۔

محمد اجمل نیازی ـــــ عبدالعزیز خالد نے شاعری کے معروف رستے سے ہٹ کر سفر شروع کیا۔ سو اس کے قاری کے لیے اس کا ہمسفر بننا ذرا مشکل ہے۔

خالد صاحب نے غزلیں بھی لکھی ہیں غزل اصل میں عرب کے ریگستانوں میں سفر کرتی ہوئی فارس کے آتش کدوں میں آئی اور وہاں سے ہند کے میکدوں تک پہنچی۔ اُردو میں اس کی صورت اور سیرت ساری کی ساری عجمی ہے۔ ہند اور عجم کے سوز دروں اور داخلی گھلاوٹ نے اسے ایک عجیب گداز بخشا۔ ہم غزل کی انہی کیفیات سے مانوس ہیں۔ اقبال کی غزل کی مجازی لے سوز و سازِ رومی میں ڈوبی ہوئی ہے۔

عبدالعزیز خالد نے غزل میں عربی لہجے کی بازیافت کی۔ اسے قدیم عرب کے تہذیبی پس منظر سے ملایا ہم چونکہ عربی ادب کے مزاج سے آگاہ نہیں۔ اس لیے ہمیں خالد صاحب کی شاعری اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ راہگذاروں کی علمی تہذیب خالد صاحب کی شاعری کا وصف بنی گئی اور ہم اس صاحب اوصاف شاعر سے دُور ہوتے چلے گئے۔ ان دنوں عربی فہمی کا رواج چلا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ کچھ وقتوں میں خالد صاحب کی شاعری کا ادراک ایک ذوق بن کر نمودار ہو اور عربی دانی کی رو میں بحیثیت شاعر خالد صاحب کو ان کا جائزہ مقام مل سکے۔

میں جب اپنے ذوقِ مطالعہ کو مشکل میں ڈالنا چاہتا ہوں تو خالد صاحب کو پڑھتا ہوں تب یہ وسعتوں کا دلدادہ شاعر مجھے مزا دیتا ہے۔ غالب اور اقبال بھی آسان شاعر نہیں۔ لیکن ان کا مطالعہ مجھے ترفع کی آسانیاں مہیا کرتا ہے۔ خالد صاحب میرے لیے پریشانیاں پیدا کرتے ہیں اور میں نے یہ کوئی منفی بات نہیں کی۔ پریشانی کا ذوق پیدا کرنا بہت بڑی صفت ہے۔ اس بدذوق زمانے کے اندر اُردو شاعری میں عبدالعزیز خالد اب تک تنہا تسلسل کے ساتھ یہ معرکہ سر کرنے میں لگا ہوا ہے۔

میزبان! اب محترمہ شبنم شکیل سے التماس ہے کہ وہ خالد صاحب کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔

شبنم شکیل ــــ عالم کی اصطلاح اپنے صحیح معنوں میں بہت کم لوگوں کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں اس کا بہت فراخ دلی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے مگر عبدالعزیز خالد کا ذکر کرتے ہوئے اس اصطلاح کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ وہ دُنیا کی بہت سی زبانوں کے ادب کا گہرا مطالعہ کیے ہوئے ہیں۔ ادب کے معاملے میں کاسموپولیٹن ازم اور بین النظریاتی رویّے نے انہیں ایسی وسعت قلب و نظر بخشی ہے کہ جس کی مثال ہمارے ادیبوں اور شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔ کثرتِ مطالعہ کے باعث اُنھوں نے ہر قسم کے ذہنی تعصّب سے رہائی حاصل کر لی ہے۔ ان سے پہلے یہی وسعت نظر کہیں کہیں ڈاکٹر تاثیر کے کلام میں بھی نظر آتی ہے۔ "علم کی انتہا ہے بے تابی" یہ بے تابی اور اضطرابی کیفیت ان کے کلام میں جگہ جگہ جھلکتی ہے، تاہم وہ کسی منفی سوچ کو اپنے اُوپر حاوی نہیں ہونے دیتے ان کا یہ یقین، یہ اعتماد اور توانا لہجہ انہیں آج کے پر تشکیک دور میں منفرد بنا دیتا ہے۔ وہ اثبات اور کشادگی کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری سے زندگی کی حرارت اور توانائی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

جہاں تک ان کی مشکل پسندی کا تعلق ہے اس پر رائے دینے سے پیشتر مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا اعتراف کرنا ہوگا۔ کسی بھی فن پر بات کرنے سے پیشتر اس فن کے رموز سے واقف ہونا ضروری ہے اس لیے اگر روشن آرا بیگم کا یہ کہنا بہت سے لوگوں کی فہم سے بالاتر ہے تو اس میں قصور کس کا ہے؟

بہر حال اتنا ضرور کہوں گی کہ خود فن کار کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے فن کو سمجھنے والے خواص و عوام دونوں میں موجود ہوں۔ شاید خالد صاحب بھی ایسا محسوس کرتے ہوں گے۔ "حدیثِ خواب" میں سے اب میں ان کی ان غزلوں اور نظموں کا تذکرہ کرنا چاہتی ہوں کہ جن میں خالد صاحب فقط ایک شاعر ہیں اور سرتاپا شاعر ہیں۔ "اے میرے خوابو سنو" "شام" "شاعر کی تلاش" "ہم" اور "نامہ نقش گر اک پیکر تصویر کے نام" میں وہ محسوسات کا پیکر نظر آتے ہیں۔ یہ نظمیں شدّتِ احساس اور بے ساختگی کی خوبصورت مثالیں ہیں۔

میزبان! اب جناب سراج منیر سے درخواست ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

سراج منیر۔ حدیثِ خواب عبدالعزیز خالد کا ایک نمائندہ مجموعہ ہے۔ خالد صاحب جیسے متنوع الجہات شاعر کے تمام اسالیب کا کسی ایک مجموعے میں سمیٹنا تو ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی اتنا ضرور ہے کہ ان کے شعری مزاج کے نمایاں پہلو اس مجموعے میں موجود ہیں اور اس طرح مزاج کی مختلف سطحوں کی نمائندگی ہو جاتی ہے۔

طرزِ احساس کے اعتبار سے عبدالعزیز خالد اُردو شاعری میں ایک نایاب مظہر کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ شاعری کے بارے میں ان کے تصورات اور ان سے پیدا ہونے والی شاعری اپنی وسعت اور نوعیت کے اعتبار سے بے مثال ہے تو غلط نہیں۔ لیکن یہ امر بھی اپنی جگہ واضح ہے کہ اُردو کی ایک رخی تنقید نے اس شاعری کا مطالعہ سنجیدگی سے کر کے اپنے نتائج مرتب نہیں کیے اور ان کی تحریریں یک گونہ بے رخی کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں۔

اُردو میں فی زمانہ شعری ذوق صرف غزل سے ترتیب پاتا ہے اور نظموں میں بھی مقبولیت عموماً ان نظموں کے حصّے میں آتی ہے جو مزاجاً غزلوں کے قریب ہے۔ ذوق کی یہ تنگی پہلے بھی تاریخ ادب میں ظاہر ہوتی رہی ہے، مثلاً داغ کے زمانے میں عام

تصور یہی تھا کہ غزل وہی ہے جو داغ اور ان کے "متاثرین" لکھتے ہیں۔ اس زمانے میں جب شاعری کے تصورات محدود جذباتی سانچوں کے اظہار میں مقید ہوں اور شعری لفظیات کا پورا ذخیرہ ۵۰، ۶۰ الفاظ میں محدود ہو گیا، عبدالعزیز خالد کی شاعری کو یقیناً ایک بڑی حیرت بلکہ اجنبیت کے ساتھ دیکھا جانا چاہیئے۔ اس لیے کہ خالد صاحب کے وسیع مطالعے نے ان کی شاعری میں ایسی جہات پیدا کر دی ہیں جو عام شعری تربیت سے لگا نہیں کھاتی۔ یہ ایک غالب جہت اسلوب کا ذکر ہے ورنہ خالد صاحب کے ہاں تنوع اس قدر موجود ہے کہ اسے ایک دو اصطلاحوں میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ یہاں EPIC کی وسعت آشنا دُنیا سے لے کر غزل اور ہائیکو کے مرتکز اسالیب تک تقریباً تمام اظہاری سانچے دستیاب ہیں اور اپنی ذات میں اتنی مختلف جہات کو سمیٹنا اور انہیں ایک بڑے شعری تجربے کی شکل دینا نہایت مشکل عمل ہے۔

خالد صاحب کی ہفت خوانی اور ہفت زبانی ادبی حلقوں میں ایک افسانوی رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے۔ مختلف زبانوں کے طرز احساس کو سمیٹنا اور اُردو میں انہیں برتنا ایک اتنی بڑی بات ہے کہ جس کا صحیح اندازہ کوئی صاحب نظر مؤرخ ادب ہی لگا سکتا ہے۔ لیکن مختصراً اتنی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ اُردو کے اپنے الگ قوام کے پس منظر میں ایک طرف مغربی اسالیب شعر جس طرح دخیل ہوتے جا رہے ہیں انہیں ایک بڑے اور اعلیٰ طرز احساس کے دائرے میں مقید کرنا بہت بڑی اہمیت کی بات ہے اور اس مظہر شاعری کا بہت دقت نظر سے مطالعہ چاہیئے۔

خالد صاحب کی شاعری کے بعض اہم حصّوں پر مجھے گمان گزرتا ہے کہ وہ داستانوں کے اسالیبِ بیان کو شاعری میں برتنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہی وسعت، وہی وسیع زمانی اور مکانی پھیلاؤ میں اشیاء اور صفات اشیاء کا پھیلے اور بہتے جانا۔

عبدالعزیز خالد کے پیش نظر شاید انسانی تاریخ میں موجود شاعری کے تمام نمایاں اسالیب کو سمیٹ کر ایک شکل دینے کی کوشش ہے اور اس کا مطالعہ اتنے ہی بڑے تنقیدی پس منظر میں کیا جانا چاہیئے۔

مہابھارت کتھن مالا

مرزا ادیب

عبدالعزیز خالد۔ اُردو کے ہفت زبان اور کثیر التصانیف شاعر ہیں جن کی شعری تخلیقات کی گنتی کریں تو ان کی تعداد کم و بیش چالیس تک پہنچ جاتی ہے۔ ان کتابوں میں طبع زاد تصانیف کے علاوہ وہ تراجم بھی شامل ہیں جو اُنھوں نے دُنیا کی کئی زبانوں سے عربی، فارسی یا انگریزی کے توسط سے کیے ہیں۔ مؤخر الذکر تصانیف میں غبارِ شبنم، بادِ شمال، پروازِ عقاب اسلوبی خصوصی طور پر نمایاں ہیں۔ ان میں ایک نثری کارنامہ بھی شریک ہے۔ "اقبال و عطیہ" یہ مجموعہ ہے ان مکتوبات کا جن کا سلسلہ علامہ اقبال اور اپنے دور کی انتہائی ذہین و فطین خاتون عطیہ فیضی کے درمیان جاری رہا تھا۔ حال ہی میں خالد نے مہابھارت کتھن مالا کا بیش بہا تحفہ اُردو ادب کو دیا ہے۔

مہابھارت۔ مشرق کا ایپک، جس کا ترجمہ دُنیا کی اکثر و بیشتر زبانوں میں ہو چکا ہے اب خالد کی سعیِ جمیلہ سے اُردو میں منتقل ہوا ہے۔ موجودہ صورت مکمل ایپک کی نہیں ہے۔ یہ کتاب تو بڑی ضخیم ہے جو لاکھوں اشعار پر مشتمل ہے۔

ہمارے محترم شاعر نے کتاب کے پہلے صفحے پر لکھا ہے۔

حکمت و حرف و حکایت کا مرقّع
مخزنِ دانشِ نُورانیِ ہند

مہابھارت پر یہ الفاظ اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ منطبق ہوتے ہیں۔ مگر صرف یہی ایک کارنامہ حکمت و حرف و حکایت کا مرقّع نہیں ہے بیسیوں ایسے مرقّع ادبیاتِ مشرق میں موجود ہیں۔ فردوسی کا شاہنامہ، مولانا رومی کی مثنوی، سعدی کی گلستان و بوستان، حافظ کا دیوان اور خود سنسکرت کی ایک غیر فانی کتاب "پنچ تنتر" ان میں الہامی کتابوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس مخزنِ دانشِ نورانیِ مشرق کے پس منظر میں براعظم ایشیا ایک ایسے بوڑھے مشفق دیالو کی صورت میں دکھائی دیتا ہے جو علم و حکمت اور دانش کے تابناک موتیوں کو ہاتھ میں بھر بھر کر بے شمار جھولیوں میں ڈال رہا ہے اور ان موتیوں کے ہجوم میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار میں نے خالد سے پوچھا تھا کہ آج کل آپ کیا کر رہے ہیں۔ میرے اس استفسار پر بولے مہابھارت کی تلخیص کر رہا ہوں۔ یہ الفاظ سُن کر مجھے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ خالد گو قادر الکلام شاعر ہیں، مختلف زبانوں پر انہیں ماہرانہ عبور حاصل ہے اور ایک مستقل مزاج مصنف بھی ہیں تاہم اتنا بڑا کام کیونکر کر سکیں گے مگر کچھ زیادہ مدت نہیں گزری کہ مہابھارت کتھن

مالا کے نام سے اُنھوں نے یہ کام کر دکھایا ہے اور اس کے لیے وہ قابلِ صد تحسین ہیں۔

یہ کتاب تین حصّوں میں منقسم ہے پہلے حصّے میں حکمت کی باتیں درج ہیں تیسرے حصّے میں کتھائیں ہیں اور ان دونوں کے حصّوں کے درمیان حرف کی فصل ہے جس میں حسنِ اسلوب بیان کے نمونے ہیں۔

دُنیا میں آج تک جتنی لمبی بڑی اور عظیم کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ انسانی زندگی کے فضائل سے ہے۔ ہر کتاب کے پیشِ نظر یہ اصول کارفرما رہا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو زندگی کو حسین بنایا جائے اور حسین بنانے کے لیے اخلاقیات پر زور دیا گیا ہے۔ پند و نصائح کی تبلیغ اسی مقصد کے لیے کی گئی ہے۔ افرادِ نسلِ انسان کو نیک بننے، نیکی کا پرچار کرنے اور دوسروں کے دُکھ درد کر کے انہیں سُکھ دینے کی ساری کوششیں اسی ضمن میں آتی ہیں۔ بعض کتابوں میں یہ غرض و غایت سیدھے سادے لفظوں اور عام سلیس، بیانیہ انداز میں واضح کی گئی ہیں اور بعضوں میں یہ کام حکایات و تمثیلات سے لیا گیا ہے۔ مہابھارت میں بھی اس کے عظیم مصنّف نے اس غرض و غایت کو سامنے رکھا ہے۔ اس ضخیم تصنیف میں یہ دونوں متذکرہ بالا طریقے اختیار کیے گئے اور بڑی خوش اسلوبی سے اختیار کیے گئے ہیں۔

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ بے حد دلچسپ کہانیاں جنھیں صدیوں سے لوگوں نے بڑے ذوق و شوق سے پڑھا ہے اور جنھیں آج تک اسی ذوق و شوق سے مسلسل پڑھا جا رہا ہے ان کا سرچشمہ یہی کتاب ہے جس کا نام مہابھارت ہے۔ مثلاً سمندر منتھن کی کہانی، راجہ پانڈو کی کتھا، ارجن اور اردشی کی کتھا، راجہ دشینت کی کتھا (شکنتلا کی کہانی) ساوتری کی کتھا، راجہ نل کی کتھا۔ یہ ساری کی ساری کہانیاں جنھوں نے لاکھوں دلوں کو موہ رکھا تھا اور موہ رکھا ہے مہابھارت کے صفحات ہی سے نکل کر دُنیا کے دور دراز گوشوں میں پھیلی ہیں۔

مہابھارت کو اُردو میں منتقل کرنے کا فریضہ بڑا دقّت طلب فریضہ تھا۔ اس کی زبان بڑی کٹھن ہے مگر یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اصل دقّت یہ ہے کہ خود کو اس خاص فضا سے ہم آہنگ کرنا جو اس کتاب پر از آغاز تا انتہا چھائی ہوئی ہے خالد صاحب کی یہ قلبی وسعت ہے کہ اُنھوں نے اس فضا کو اپنے اندر جذب کر کے اس کا اظہار کیا ہے۔ اپنے اس تخیّلی سفر میں وہ مہابھارت کی مخصوص فضا میں سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

اُنھوں نے کتاب کے ایک ابتدائی صفحے پر لکھا ہے۔

حکمت ہے مومن کی متاعِ گم شدہ
جس سے جہاں سے بھی ملے
بے کھٹکے فوراً اپنے قبضے میں کرنے
از بس کہ اس کا اصل وارث ہے وہی

اس کے ساتھ اُنھوں نے بابا فغانی شیرازی کا یہ بہت خوبصورت شعر بھی درج کیا ہے۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

قلبی وسعت سے مراد حکمت سے سچی محبت ہے وہ کہیں بھی ہو حکمت سے محبت کرنے والا اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگائے گا اور اس سے مراد وہ دیدہ وری بھی ہے جو حکمت کے چراغ کے ہر پرتو کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے اور اسے اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے سکتا ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ عبدالعزیز خالد ہفت زبان شاعر ہیں۔ صرف یہی ان کی بڑی خوبی نہیں ان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ وسیع دل و دماغ کے مالک ہیں۔ وسیع معلومات ان کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ انہیں ہر قسم کے بیان کے اظہار پر ماہرانہ دسترس حاصل ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

مہابھارت کتھن مالا اُردو کے منفرد شاعر عبدالعزیز خالد کی نثر کی ایسی تالیف ہے، جسے پڑھ کر اہلِ ذوق و نظر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ خالد قادر الکلام نثر نگار بھی ہے۔ یہ ہندوستان یا بھارت کی شہرۂ آفاق دیومالا Mythology کا خلاصہ ہے۔ یہ ہزاروں گلہائے شعر کا شہد ہے، شیریں و بوقلموں اور نظر افروز و بصیرت افروز۔

یہ کتھن مالا ایک منفرد قسم کا دلآویز گلدستہ ہے جس میں حکمت کے پھول بھی ہیں اور حکایتوں کے شگوفے اور علم کے برگ و بار بھی۔

مؤلف نے اسے سنسکرت، پراکرت، ہندی اور اُردو کے گلہائے الفاظ و محاورات سے اس طرح مزین کیا ہے کہ اُردو کا گلستانِ ادب ان کے جمال سے پُر بہار و دل کش بن گیا ہے اور ان کی خوشبو سے معطر ہو گیا ہے۔

حکمت کے موتیوں کی طلب و جستجو ہو تو اس سے دامن بھرتے جایئے؛ داستان پڑھنے کی آرزو ہو تو حکایاتِ دلآویز پڑھیئے اور سر دُھنتے جایئے۔ اس میں اسلوبِ نگارش کی بلاغت و دل کشی میں ہے اور ندرت و جدت بھی؛ زبان کی شوخی و رنگینی بھی ہے اور لب و لہجے کی شوخی بھی۔ ہر داستان ایک ڈرامہ ہے، جس میں مکالمات کا تیکھا پن بھی اور لب و لہجے کی شوخی بھی یا تمثیلی احوال و ظرف کا عروج (climax) اگر رفعتِ تخیل کا غماض ہے تو زوال (anti-climax) درد و غم زندگی کا؛ اس میں تجسس کا رنگ حیرت انگیز ہے تو انجام فکر انگیز و دلکشا۔ اس کا کریڈٹ بلاشبہ اصل مصنف کو جاتا ہے، لیکن خالد کا کمال یہ ہے کہ اُس نے اپنے خونِ چشم و جگر سے ہر جس کتھا کو رنگین و دلفروز بنا دیا ہے۔ نظر حکمت کے جس باب پر پڑے یا کتھن مالا کی جس حکایت پر۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

فاضل مؤلف نے کتاب کی ابتدا "حکمت" سے کی ہے۔ اس کے غوّاصِ فکر و نظر نے دریائے حکمت سے وہ گوہر چن چن کر نکالے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دُرِ یتیم و بے بہا ہے اور ان پر ایشیا کا ادب بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔ "حکمت مؤمن کی گم شدہ میراث ہے، جہاں سے ملے، لے لو کہ تمہاری ہے" (ارشادِ نبویؐ)۔ خالد کا اُردو زبان و ادب پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے حکمت کے ایک نایاب خزینہ سے اس کی ثروت میں گرانقدر اضافہ کر دیا ہے۔

صیرفی نظر میں ہر گوہرِ حکمت رشکِ گنجینۂ معانی ہے۔ یہ مبالغہ نہیں، حقیقت ہے۔ اسے خود دیکھئے پرکھئے اور فیصلہ کیجئے:

"یہاں کوئی چیز کسی کی نہیں۔ ایشور کا مال ہے، جس کو چاہے دے۔ جس سے چاہے چھینے۔ ہر ایک چیز ہمیں مانگوی (اُدھار) ملی ہے۔ جو چیز اپنی نہیں، قرض ہے۔

سچے متر (دوست) دوبھ (نایاب، کمیاب) ہیں، سبھی اپنی غرض کے لیے ایک دوسرے سے پریتی (پریت۔ محبت) کرتے ہیں۔

جو دھن بے انصافی سے حاصل کیا جائے، اس کا دان بھی نشپھل (بے ثمر۔ عبث) ہے۔

جس جگہ نربل پُرش (کمزور آدمی) بلوان (طاقت ور) سے دکھی ہو کر کسی کو اپنا مددگار نہیں پاتا۔ اس جگہ پرتا کا مہان قہر (سخت عذاب) نازل ہوا کرتا ہے۔

اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ نہ کرو۔ سب سے مترتا کا بھاؤ (متر بھاؤ، دوستی کا برتاؤ) رکھو۔

کوئی سوال کرے تو اُسے ترش روئی سے جواب نہ دو۔

جہاں بدّھی (عقل) ہوتی ہے وہیں شانتی (طمانیت) نواس (قیام) کرتی ہے۔

جَل (پانی) ہی سب جانداروں کی زندگی ہے۔

اپنے آپ کو بڑا جاننا ابھیمان (غرور۔ تکبّر) ہے۔

حسد کرنے سے عمر گھٹ جاتی ہے۔

جو آدمی جیسی سنگت (صحبت) کرتا ہے اور جیسا ہونے کی خواہش کرتا ہے، آخر ویسا ہی ہو جاتا ہے۔

خدا کو پانے سے پہلے اپنے آپ کو پاؤ

بنا محنت کے کہیں پھل نہیں ملتا۔

محنت اپنا پھل آپ ہے۔

میں کون ہوں؟ کہاں ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور کہاں جاؤں گا؟ کس لیے اس سنسار میں آیا ہوں اور کیوں شوک کرتا ہوں؟ اس بارے میں گیانی پُرش کو وچار (غور) کرنا چاہیئے۔

رات کے وقت پیٹ بھر کر بھوجن نہ کرو۔

جو پاپ کرتا ہے وہ اپنے پاپ سے آپ ہی نشٹ (فنا، تباہ) ہو جاتا ہے۔

اس سنسار میں جس کے پاس دھن ہے، اسی کے متر اور رشتے دار ہیں۔

جو لوگ راہِ راست اختیار کرتے ہیں، انھیں کسی قسم کا ڈر نہیں رہتا۔

سب اپنے بُرے کاموں کے کارن ہی دکھ بھوگتے ہیں۔

انسان اپنے لیے جو باتیں اچھی سمجھے، ویسی دوسروں کے لیے بھی سمجھنی چاہئیں۔

ترشنا (تشنگی۔ ہوس) کا انت نہیں۔

ناشکرے آدمی کا اُدّھار (نجات) کسی طرح نہیں ہو سکتا؛ وہ سدا نرک بھوگا کرتا ہے۔

اپنی ضرورت بھر کے لیے دھن رکھ کر باقی سب غریبوں کو دے دیا کرو۔

جو چیز جیسی ہے ویسا ہی جاننا ستیہ (سچ) ہے۔

دھرم ستیہ میں قائم ہے۔

جو ستیہ ہے وہی دھرم ہے؛ جو دھرم ہے وہی پرکاش (نور، روشنی) اور جو پرکاش ہے وہی سکھ ہے۔

اَستیہ (جھوٹ) ہی ادھرم ہے اور جو ادھرم ہے وہی اندھکار (اندھیرا، ظلمت) ہے؛ اور جو اندھکار ہے وہی دُکھ ہے۔

دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ جیسے راستے میں چلتے ہوئے یاتریوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی ہے، ویسے ہی سنسار میں بیٹے اور بھائی بندوں وغیرہ کو سمجھنا چاہیئے۔

پراستری گمن (زنا کاری) سے بڑھ کر عمر کو گھٹانے والا دوسرا کام نہیں ہے۔ جو آدمی پر استری گمن کرتا ہے۔ اُسے اتنے ہی ہزار سال نرک میں رہنا پڑتا ہے جتنے اس استری کے جسم میں بال ہوتے ہیں۔

جو شخص حیض والی عورت سے صحبت کرتا ہے، اس کی عقل، قوت، نظر اور عمر کم ہو جاتی ہے۔

ایکانت (تنہائی) میں پرائی استری کے سنگ نہ بیٹھو اس کا سپرش (لمس) بھی نہ کرو۔

قرض باقی رہنے سے، آگ باقی رہنے سے اور دشمن کے باقی رہنے سے۔ یہ تینوں بتدریج پھر بڑھ جاتے ہیں؛ اس لیے انھیں جڑ سے اکھاڑ دینا ہی مناسب ہے۔ بڑھتا ہوا قرض، نظر انداز کی گئی بیماری اور ہارا ہوا دشمن۔ یہ تینوں نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔

دل چاہتا ہے کہ گلستانِ حکمت سے گلہائے رنگ رنگ کو چنتے جایئے۔ لیکن یہ موقع تفصیل و اطناب کا نہیں۔ ایجاز و اختصار کا ہے۔ لہٰذا طبیعت پر جبر کر کے اشہبِ قلم کو روکنا پڑا ہے۔ اب اہلِ ذوق و نظر کا کام ہے کہ وہ علم و حکمت کی پیاس بجھانے کے لیے اس تالیفِ بصیرت افروز کا مطالعہ کریں۔

حکمت کے پانچ باب ہیں ایک باب کا عنوان حرف ہے۔ حکایات کی تعداد نو ہے۔ اور ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ نیولے کی کتھا۔

۲۔ کوشک برہمن کی کتھا۔

۳۔ سمندر منتھن کی کتھا۔

۴۔ راجہ پانڈو کی کتھا۔

۵۔ ارجن اور اروشی کی کتھا۔

۶۔ راجہ پریکشت کی کتھا۔

۷۔ راجہ دشنیت کی کتھا۔

۸۔ ساوتری کی کتھا۔

۹۔ راجہ نل کی کتھا۔

حکمت کے پانچ ابواب میں سے کچھ داستانیں بھی ہیں، جو صنفِ جمیلہ سے متعلق ہیں۔ اور ان میں ان کے عواطف و امیال، نفسیاتی کیفیات، جنسی میلانات، جنسی جذبات و مقتضیات، کردار، تریاہٹ، چرب زبانی، عیاری و مکاری اور بے دفائی و وفاداری کو فکر انگیز و دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جنس، محبت اور عورت کی سرشت کے متعلق ایسے ایسے نکات بیان کیے گئے ہیں جو پڑھنے، یاد رکھنے اور حرزِ جان بنانے کے قابل ہیں۔

حکمت کے ان ابواب میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بالخصوص خیال انگیز اور سبق آموز واقعات و نکات کو دل کش انداز میں بیان کیا گیا ہے:

۱۔ استریوں کے بھاؤ کے بارے میں نارد اور پنچ چوڑا کا سمواد۔

۲۔ راجہ یدھشٹر کا سوال، استریوں کو بدچلن ہونے سے کیسے بچایا جائے۔

۳۔ راجہ بھنگاسون کی منوہر کتھا۔

۴۔ راجہ سدیو کی کتھا۔

۵۔ راجہ جنک اور ایک براہمن کا سمواد۔ (= مکالمہ)۔

چوتھے باب میں نفس یا آتما کے تین گنوں: ستو، رج اور تم پر حکیمانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں نفس کے تین گن بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ امّارہ ۲۔ لوّامہ ۳۔ مطمئنہ

ان کا تقابلی مقابلہ کیا جائے تو حیرت انگیز مماثلت کا سراغ ملتا ہے۔ میری رائے میں نفسیاتِ انسانی پر یہ باب لائقِ اہمیت رکھتا ہے۔

پانچویں باب میں بعض حکیمانہ مصطلحات کی توضیح کی گئی ہے جنھیں ہندو دھرم کی اسیاسیات کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر چند ایک اصطلاحات قارئین کی دل چسپی کی خاطر درج ذیل کی جاتی ہیں:

۱۔ آشرم ۲۔ ورنوں کے سوا بھاؤک کرم ۳۔ پرماتما ۴۔ چارجگ (ست یگ

۲۔ ترتیا ۳۔ دواپر ۴۔ کلجگ) ۵۔ کرم ۶۔ وید ۷۔ دان

۸۔ بھگت ۹۔ دکھ ۱۰۔ سکھ ۱۱۔ شریر ۱۲۔ پنچ مہایگیہ

۱۳۔ ہنسا ۱۴۔ شرادھ ۱۵۔ منی ۱۶۔ مکتی ۱۷۔ سدھی ۱۸۔ گیان

وغیرہ وغیرہ۔

حرف

یہ فصل جنس (Sex) پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہندو دھرم میں جنس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور اس فصل میں صنفِ جمیلہ کے جنسی ہیجانات، مہیجات اور جذبات کو حکایاتی اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ اس طرزِ بیان سے قاری داستانوں میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ بے حد دیرینہ حکایات ہیں۔ لیکن دل کش و تازہ ہیں۔ ہمارے نقطۂ نظر میں ان میں بعض سخن گسترانہ نظریات بھی ہیں، لیکن فکر انگیز بھی ہیں اور دلچسپ بھی۔ ان حکایات میں بھارت کی قدیم تہذیب اپنے صحیح تناظر میں دکھائی دیتی ہے اور اہلِ ذوق کو متاثر کرتی ہے۔

مہابھارت کتھن مالا کا تیسرا حصّہ حکایات سے مزیّن ہے جن کے نام لکھے جا چکے ہیں۔ ہر کہانی اپنی انفرادیت رکھتی ہے لیکن ان میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ سب کا مرکزی کردار صنفِ جمیلہ ہے، لیکن وہ ہر کہانی میں ایک نئے روپ میں نظر آتی ہے۔ وفا شعار ہے تو آپ اپنا جواب ہے۔ اپنے حصارِ حیا سے نکلتی ہے تو طوائف کا روپ دھار لیتی ہے۔ ہر داستان گویا ایک دیو مالا کی طرح ہے۔ لیکن اس کے کردار زندہ ہیں اور زندوں کی طرح اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کہانیوں میں ڈرامائی Dramatic Situations بھی آتی ہیں جو ان کی دلکشی و جاذبیت کو قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

مذہبی اعتقادات و نظریات، ثقافتی رسم و رواج اور خصوصاً جنسی نظریات و عواطف کو حکایت کی صورت میں پیش کرنا بڑے حوصلے کا کام ہے؛ لیکن ان حکایات کو دوسرے دین کے قاریوں کے سامنے پیش کرنا اور بھی جوکھوں کا کام ہے، جسے عبدالعزیز خالد نے بڑی جرأت و چابکدستی سے سرانجام دیا ہے۔ خالد نے جس دیدہ ریزی و جانفشانی سے اس کتاب کی تالیف کی ہے، اس کے لیے وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس تالیف کی ایک قابلِ قدر خوبی یہ ہے کہ انھوں نے سنسکرت، ہندی اور پراکرت کے مشکل و غریب الفاظ کو اعراب لگا کر اردو داں طبقے کے سامنے پیش کیا ہے؛ اور انھیں ان الفاظ کے صحیح تلفظ سے آگاہ کر کے قابلِ ستائش خدمت سرانجام دی ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ عبدالعزیز خالد نے یہ کتھن مالا تالیف کر کے اردو ادب کی ثروت میں گراں قدر اضافہ کیا ہے اور مؤلفین کو یہ جتا دیا ہے کہ تالیف کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے۔ اس کتاب کی خوبیاں گنواؤں تو گنوا نہ سکوں اور تعریف و ستائش کروں تو حق ادا نہ کر سکوں، لہٰذا اس بات پر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ مہابھارت کتھن مالا ان کتابوں میں سے ہے جو ایک بار یا دس بار نہیں بلکہ سو بار پڑھنے کی کتاب ہے۔ یہ گنجینۂ معانی ہے۔ ان کے لیے جو گہرہائے حکمت کی طلب و جستجو رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید

ہزاروں سال پہلے تصنیف ہونے والی کتاب "مہابھارت" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سچی زرمیہ ہے جس میں کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان کوروکشیتر میں لڑی جانے والی اٹھارہ روزہ جنگ کے مناظر اس خوبی سے کھینچے گئے ہیں کہ اس زرمیہ کے مصنف پنڈت ویاس کے لیے ہمارا ترقی یافتہ عہد بھی عش عش کر اٹھتا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ مہابھارت صرف ایک لڑائی نامہ نہیں بلکہ یہ انسانی دانش و حکمت کا مرقع بھی ہے۔ پنڈت لوک ناتھ بھٹاچاریہ نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں ہندوستان کے باشندوں کے لیے روحانیت کا ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا سرچشمہ ہے اُردو کے ممتاز شاعر عبدالعزیز خالد نے اسے "مخزنِ دانشِ نورانیِ ہند" شمار کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں ایک ایسی جنگ کا منظر دکھایا گیا ہے جو ہمارے دل میں موجود ہے۔ پنڈت بھٹاچاریہ کے الفاظ میں یہ جنگ ہمارے باطن کی جنگ ہے جو ہم خود اپنے آپ سے لڑتے ہیں چنانچہ مثل مشہور ہے کہ جو کچھ مہابھارت میں نہیں ہے وہ بھارت میں نہیں ہے۔

حکمت و حرف و حکایات کی یہ کتاب اُردو دُنیا کے لیے آہستہ آہستہ اجنبی اور معدوم ہوتی جا رہی تھی اور ہمیں عبدالعزیز خالد کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ اُنھوں نے ہندوستان کی اس عظیم ترین کتاب کی تلخیص کا بارِ گراں اٹھایا اور اب حال ہی میں اسے کتابی صورت میں شائع بھی کر دیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ

ویدکے عظیم پنڈت ویاس جی کا نعرہ حق یہ ہے کہ سارے شاستر اور سانگ پانگ اور چاروں وید تو ایک طرف ہیں اور مہابھارت ایک طرف اس بڑے گرنتھ کو پنڈت ویاس نے ساٹھ لاکھ اشلوکوں میں تصنیف کر کے تین سال میں مکمل کیا تھا۔

مہابھارت میں جو موضوعات ابھرے ہیں ان میں انسان انسانی زندگی اور معاشرہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بنیادی طور پر اس خیال کو تقویت دی گئی ہے کہ انسان ماں باپ بیوی بچوں کے فراق و وصال کی وجہ سے دکھ اٹھاتا ہے۔ دُنیا میں ہزاروں سبب خوشی کے ہیں سینکڑوں اسباب دکھ اور رنج کے بھی موجود ہیں لیکن دکھ کا وار صرف جاہلوں اور نادانوں پر ہوتا ہے۔ دھرم اور زندگی ازلی اور ابدی ہیں دکھ سکھ اور انسانی جسم فانی ہیں یہی مہابھارت کا لُبِّ لباب ہے۔

لیکن واضح ہو کہ اس لبِّ لباب سے مہابھارت کی اصل حقیقت سامنے نہیں آتی۔ مہابھارت کو ہندوستان کے لوگوں نے اپنے دل میں بٹھا رکھا ہے اور جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے تو وہ اس کا حل تلاش کرنے کے لیے مہابھارت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پنڈت بھٹاچاریہ نے لکھا ہے کہ مہابھارت کی زبانی روایت کو ایک خاص تقدس حاصل ہے آپ کسی بھی راہ گیر کو پوچھیں کہ ارجن کون تھا تو وہ اس کا جواب آپ کو پوری تفصیل سے دے گا۔ ارجن اس غیر تحریری داستان کا مرکزی کردار ہے اور ارجن کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ ایک خیالی کردار ہے جس کا کوئی وجود نہیں ایک ہندوستانی مصنف نے لکھا ہے کہ میں بھی ارجن کو محض وہم تصور کرتا تھا اور حیران ہوتا تھا کہ ایک ایسے آدمی کے بارے میں جس کا وجود ہی نہیں ہے اتنے بکھیڑے پالنے

اور اتنے قصّے بیان کرنے سے فائدہ ؟ لیکن جب یہ وہم اُنھوں نے اپنے والد سے بیان کیا تو وہ برہم ہو گئے اور بولے ارجن کا وجود نہیں تو پھر وجود کس کا ہے۔ کیا میرا اور تمھارا وجود ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر ارجن ہمیشہ رہتا ہے۔ وہ ہمارے اندر پوری توانائی سے موجود ہے اور ہمارے خیالوں میں زندہ ہے۔ وہ اس سے بہت زیادہ حقیقی ہے جسے ہم حقیقی دُنیا کہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقت کی گرہ کشائی اس طرح کرتا ہے کہ صداقت کا دائمی چہرہ آشکارا ہو جاتا ہے۔ مہابھارت کتھن مالا اسی لحاظ سے ایک زندہ تصنیف ہے کہ پنڈت دیاس نے اس میں آنے والے زمانوں کا سچ بھی جمع کر دیا ہے۔

"مہابھارت کتھن مالا" کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں حکمت مشرق کے جواہر پارے جمع کیے گئے ہیں دوسرے حصّے میں ان حکایات کو جگہ دی گئی ہیں جن سے اوّل الذکر حصّے کی تمثیلی صورت گری ہو جاتی ہے۔ پہلے حصّے کو اس ایقان کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را یابی بگیر

اس حصّے میں جو دانش پارے حقیقی زندگی کی رہنمائی کرتے ہیں ان میں سے چند نمونے یہ ہیں۔

- ـــــ جیسے سب دریا سمندر میں گرتے ہیں ویسے ہی سب جاندار موت کے مُنہ میں سما جاتے ہیں۔
- ـــــ دھن کمانے کی لالسا (طمع) دکھ کا کارن (باعث) ہے۔
- ـــــ یہاں کوئی چیز کسی کی نہیں ایشور کا مال ہے۔ جس کو چاہے دے۔ جس سے چاہے چھینے۔
- ـــــ بدنامی عزّت دار آدمی کے لیے موت سے بھی زیادہ دکھ دائی ہے۔

دوسرے حصّے کی حکایات میں راجہ نل راجہ پانڈو کوشک برھمن راجہ دشنیت وغیرہ کی نو کتھائیں جمع کی گئی ہیں اور ان سے بھی حکمت و دانش کے جواہر تلاش کیے گئے ہیں۔ یہ دلچسپ کتھائیں حقیقت بھی ہیں اور افسانہ بھی ان میں غم دُنیا بھی ہے اور غم جاناں بھی۔

عبدالعزیز خالد کی اوّلین عطا یہ ہے کہ اُنھوں نے دانش مشرق کے اس خزینے کو اُردو میں منتقل کرنے کے لیے منتخب کیا دوسری خوبی یہ کہ اُنھوں نے اس عظیم رزمیہ سے ایسے حصّے منتخب کیے جن سے حکمت نورانی نمایاں ہوتی ہے اور انسانی زندگی مُستنیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کتاب میں ان کی سنسکرت اور ہندی دانی کا کمال ہمارے سامنے آتا ہے اُنھوں نے مہابھارت کتھن مالا کو بلاشبہ اُردو میں ہی منتقل کیا ہے لیکن اس کے ہندی رس کو ضائع نہیں ہونے دیا اور قاری کو اس زبان کی لطافت سے آشنا کرنے کے لیے خاصی آسان زبان استعمال کی ہے تاہم جہاں انہیں احساس ہوا کہ قاری کو مطالب تک پہنچنے میں دشواری ہو گی وہاں اُنھوں نے مشکل الفاظ کے اُردو متبادل قوسین میں درج کر دیے ہیں۔ اس سے نہ صرف اس کتاب کی تفہیم آسان ہو گئی ہے بلکہ اُردو دان طبقے کو ہندی اور سنسکرت کے ذخیرۂ الفاظ سے آشنا ہونے کا موقعہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک کٹھن کام تھا لیکن خالد صاحب نے اسے جس آسانی سے سرانجام دیا ہے یہ بجائے خود حیرت انگیز ہے۔

علی سفیان آفاقی

اُردو کے مشہور نقاد ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے ایک بار تاریخی جملہ لکھا تھا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ ایک وید مقدس اور دوسری دیوانِ غالب۔ غالب کو اس سے زیادہ جامع خراج تحسین شاید کسی اور نے پیش نہیں کیا۔ غالب کی شاعری اور ادبی خدمات سے مسلمان اور خصوصاً اُردو دان تعلیم یافتہ طبقہ بخوبی واقف ہے لیکن ویدوں کے بارے میں مسلمانوں کا علم بہت محدود ہے۔ قیام پاکستان سے قبل جب مسلمان اور ہندو قومیں صدیوں تک ایک ہی ملک میں بہت سی مشترکہ رسومات کے ساتھ زندگی گزارتی رہی ہیں۔ اس وقت بھی وید مقدس یا ہندو دیومالا کے بارے میں مسلمانوں کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اسے آپ مذہبی عقیدہ کہہ لیجئے۔ یا پھر دینی تعصب کا نام دیجئے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ صدیوں تک مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے باوجود ہندوؤں نے بھی اجتماعی طور پر کبھی اسلام کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اس طرح لاعلمی کے عالم میں تعصبات شدت اختیار کرتے چلے گئے اور بہت سی حقیقتوں کے ساتھ ساتھ غلط فہمیاں اور بدگمانیاں بھی پرورش پاتی رہیں۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے یہ دو قومیں ایک دوسرے کے ساتھ خوش اسلوبی اور امن و سکون کے ساتھ نہ رہ سکیں۔ حالانکہ وقتاً فوقتاً ہندو مسلم اتحاد کے نعرے بلند ہوتے رہے۔ لیکن یہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر بلند کیے جاتے تھے۔ صحیح معنوں میں دونوں قوموں کی ایک دوسرے کے مذہب اور علوم و فنون سے روشناس کرانے کی باقاعدہ اور سنجیدہ کوشش شاید کبھی نہیں کی گئی۔ اگرچہ انفرادی طور پر بعض لوگوں نے اس جہت میں کام کیا لیکن یہ اکّا دکّا کوششیں حسبِ خواہش اور مفید نتائج پیدا کرنے میں ناکام رہیں۔

ہم میں سے بہت کم لوگوں کو ہندو مذہب اور اس کی تعلیمات کے بارے میں صحیح علم ہے۔ ورنہ سنی سنائی حکایتوں اور غلط فہمیوں پر ہی ہندو مذہب کے بارے میں ہماری معلومات کا انحصار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ہمارا دین و ایمان ہے اور ہر مسلمان کا پختہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں اس سے بہتر اور کوئی مذہب نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کا بغور مطالعہ نہ کیا جائے اور اس مطالعے کی روشنی میں تقابل اور موازنہ نہ کیا جائے۔ دراصل یہی عقلیت پسندی کا تقاضا ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو ہمارا ایمان، اعتقاد اور یقین اور

زیادہ پختہ اور مستحکم ہوگا اور اس بارے میں ہم محض مولوی صاحب کے بیان پر انحصار نہیں کریں گے کہ اسلام سچا اور مکمل مذہب ہے۔

جہاں تک ادبی میدان کا تعلق ہے اُردو ادب میں ہندو روایات و رسومات کی آمیزش ہمیشہ ہی ہوتی آئی ہے۔ اُردو زبان دیگر زبانوں کا مجموعہ ہے اور اس میں دوسری بیرونی زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندی اور ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں کے الفاظ کی کبھی کمی نہیں رہی مگر جب مذہبی تعصبات نے زور پکڑا تو (شاید ہندو تعصب کے جواب میں) مسلمانوں نے بھی اُردو زبان میں ہندی کا داخلہ ممنوعہ قرار دے دیا۔ حالانکہ ہندی آمیز اُردو بہت میٹھی اور عام فہم زبان تھی۔ اُردو میں عربی اور فارسی کے مشکل الفاظ کی آمیزش نے اسے بوجھل بنا دیا اور پھر ایسے ملک میں جہاں خواندگی کا تناسب بے حد کم ہو عربی اور فارسی کے حامل مشکل الفاظ عام لوگوں کے لیے قابل فہم نہیں ہو سکتے۔ انشا دے لے کر میرا جی تک اُردو کے بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اُردو۔ ہندی کی ملاوٹ سے ایک آسان اور میٹھی زبان کو جنم دیا اور ہندی کتابوں اور روایات کو اُردو زبان میں متعارف کرایا۔ مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم نے ہندو دیو مالا کی کہانیوں کو نہایت شیریں اُردو میں ڈھالا۔ یہ کہانیاں اُردو زبان کا عطیہ کہی جا سکتی ہیں۔ اس طرح میرا جی مرحوم کی تحریر کردہ کتاب "نگار خانہ" اس شیرینی کا ایک اور مظہر ہے۔

زمانہ حال میں عبدالعزیز خالد نے اس سلسلے میں ایک بجیدہ اور قابل توجہ کوشش کی ہے۔ ان کی تازہ کتاب "مہابھارت کتھن مالا" مہابھارت کی داستانوں کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ "مہابھارت" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک عظیم اور قابلِ قدر تصنیف ہے۔ یہ ضخیم کتاب کہانیوں، حکایتوں، جنگی حالات اور حکمت و دانش کے اقوال پر مبنی ہے۔ بہت سے نقادوں نے اسے دنیا کی عظیم ترین کتابوں میں سے ایک تسلیم کیا ہے۔ وید کے مصنف پنڈت ویاس جی کا قول ہے کہ اٹھارہ پران۔ سارے شاستر اور چاروں وید ایک طرف ہیں اور مہابھارت ایک طرف۔ عبدالعزیز خالد نے اس عظیم کتاب کا لبِ لباب یہ نکالا ہے کہ انسان ہمیشہ ماں، باپ، اولاد اور بیویوں کے وصال و فراق میں دکھ اُٹھاتے ہیں۔ دنیا میں خوشی اور غم کے اسباب ہزاروں ہیں مگر زیادہ تر جاہل اور نادان ہی غموں اور تکالیف کا دکھ جھیلتے ہیں۔ مہابھارت کا نچوڑ یہ ہے کہ سکھ، دکھ اور جسم فانی چیزیں ہیں۔ صرف مذہب اور زندگی ہی ایک ازلی حقیقت ہے۔

عبدالعزیز خالد ایک متنوع مزاج کے مالک ہیں۔ ایک طرف وہ قرآن پاک کی آیات کا اُردو منظوم میں ترجمہ کرتے ہیں تو دوسری طرف زار و لینن کے دیس، روس کے نغمات کو اُردو نظم کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ نعت لکھنے میں انھوں نے ایک بالکل نیا اور اچھوتا تجربہ کیا ہے اور ان کی تازہ منظوم تصنیف "عبدہٗ" ایک حیرت انگیز تصنیف ہے جس میں انھوں نے اُردو اور عربی میں یکساں مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے نعت نویسی کو ایک بالکل نئی شکل دے دی ہے۔ خلیفۂ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ کی حیات کے بارے میں ان کی تصنیف "ثانیِ لاثانی" ان کی ادبی مہم جوئی اور

مشکل پسندی کی ایک اور مثال ہے۔ لیکن "مہابھارت کتھن مالا" ایک نثری کتاب ہے جس کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ اسے حکمت و حرف و حکایت کا مرقع اور مخزن دانش نورانی ہند قرار دیا جا سکتا ہے اس کتاب کا منظوم انتساب اُنھوں نے اس طرح کیا ہے۔

ہند و پاکستان کے اس مشترک ماضی کے نام جس میں پوشیدہ ہے اک مستقبل نو کا پیام۔

کتاب کا پہلا حصّہ حکمت حکمت و دانش پر مشتمل ہے۔ پہلے باب کی پہلی سطر یہ ہے:

"جیسے سب دریا سمندر میں گرتے ہیں ویسے ہی سب جاندار موت کے منہ میں سما جاتے ہیں۔"

دوسرے لفظوں میں یہ ان قرآنی الفاظ کا پرتو ہے کہ ہر ذی نفس کو ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ یہ حصّہ اقوال و دانش پر مشتمل ہے اور انسانی زندگی، جذبات و احساسات اور باہمی رشتوں پر انتہائی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے۔ معاشرتی آداب و اطوار پر بھی جامع تبصرے اور ہدایات اس حصے میں جا بجا موجود ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے ایک بار پھر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب اور مذہبی کتابیں نوعِ انسانی کی فلاح اور اصلاح کے لیے ہی وجود میں آئی ہیں اور معمولی تبدیلیوں سے قطع نظر انسانوں کے لیے ان کے پیام اور ہدایات میں بیشتر باتیں مشترک ہیں۔

کتاب کا دوسرا حصّہ "حرف" ہے جو ایک لحاظ سے اقوال و حکایات پر مشتمل ہے۔ ان میں بعض دیو مالا کی کہانیوں سے اخذ کیے گئے ہیں اور دانش و حکمت کے بول اس میں چار سو بکھرے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر "یہ بالکل ناممکن ہے کہ کسی ایک دیس کے سبھی لوگ پاپی ہوں"۔ یا پھر ایک نمونہ دیکھئے۔

"اس کا جسم لگے ہوئے بانسوں سے ایسا نظر آتا ہے جیسے پھلے ہوئے کچنار کے درختوں سے پہاڑ۔"

کتاب کا تیسرا حصّہ "حکایت" پر مشتمل ہے۔ اس حصّے میں مترجم نے مہابھارت کی بے شمار کہانیوں میں سے چند دلچسپ اور خوب صورت کہانیوں کا انتخاب کیا ہے۔ جو خود عبدالعزیز خالد کے الفاظ میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حقیقت بھی ہیں افسانہ بھی
غم دنیا بھی ہے جن میں، غم جانانہ بھی

"مہابھارت" سنسکرت زبان کی تصنیف ہے مگر عبدالعزیز خالد صاحب نے آسان ہندی آمیز اُردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض غیر مانوس اور عام طور پر استعمال نہ کیے جانے والے ہندی الفاظ کے ساتھ ان کا اُردو ترجمہ بھی درج ہے۔ کتاب کا یہ حصّہ اغلباً سب سے زیادہ دلچسپ اور پرکشش ہے۔ ہم میں سے جو لوگ ہندو دیو مالا

سے تفصیلی طور پر واقفیت نہیں رکھتے ان کی اکثریت بھی ہندو دیو مالا کے مشہور کرداروں اور کہانیوں سے واقف ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دیو مالا کے بعض کردار ہماری روزمرّہ کی بول چال میں شامل ہو گئے۔ جیسے کسی عورت کو پاکبازی کا طعنہ دیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ تم کہاں کی ستی ساوتری ہو یا اس طرح دوسرے دیوتاؤں کا تذکرہ بھی ہمارے افسانوں، کتابوں اور نظموں میں جا بجا ملتا ہے اور ضرب المثل بن چکا ہے۔ راجہ نل کی کہانی اور جوئے میں اپنی بیوی کو ہار جانے کا واقعہ ہر ایک کو معلوم ہے اور قمار بازی کے حوالے سے راجہ نل کا نام ایک گھریلو لفظ بن چکا ہے۔ راجہ اندر اور دوسرے بیشمار دیوتاؤں کی داستانیں اور وجہ شہرت بھی سبھی جانتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کہانیوں کا مطالعہ کیا جائے تو اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ زمانہ قدیم کی تمام مشہور داستانوں کی طرح مہابھارت کی کہانیوں میں بھی نصیحت یا سبق آموزی مضمر ہے۔ پڑھنے والا ہر کہانی سے کام کی بات جان لیتا ہے۔ اور کوئی مفید مطلب نکال لیتا ہے۔ ہندو دیو مالا کی کہانیوں کی ایک خوبی یا خوب صورتی یہ بھی ہے کہ ان میں تخیّل کی جولانی اور سحر انگیزی پورے عروج پر ملتی ہے۔ ان کے کردار، ان کا ماحول، ان کے واقعات اور انداز بیان اتنا افسانوی اور دلچسپ ہے کہ ایک بار شروع کرنے کے بعد ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ کہنے کو یہ اگرچہ دیوتاؤں، دیویوں، اپسراؤں (پریوں) کی کہانیاں ہیں۔ لیکن ان کے اندر خالص انسانوں کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جذبات و احساسات اور روحانیت کے اعتبار سے یہ کہانیاں ہر شخص کو متاثر کرتی ہیں۔ اسی دلکشی اور پُرکاری کے سبب ان داستانوں کو کلاسیکی حیثیت حاصل ہے اور لوک داستانوں کی طرح یہ بھی زندۂ جاوید ہو گئی ہیں۔ اسلوب اور طرز نگارش نے ان کہانیوں کو لاثانی بنا دیا ہے۔ الفاظ کی ترتیب اور حسن بیان کی رعنائی، رنگینی اور تازگی ماحول کو ایک انوکھا روپ بخش دیتی ہے۔ ان کہانیوں میں انسانی رشتے نہایت اخلاص کے ساتھ اور کسی ملاوٹ کے بغیر نظر آتے ہیں۔

ہندی کی کچھ اصطلاحات اور معلومات بھی اس کتاب کے ذریعہ قاری تک پہنچتی ہیں۔ مثلاً چاروں یگ جب ہزار مرتبہ بیت چکتے ہیں۔ تب برہما کا ایک دن ہوتا ہے۔ ہزار مرتبہ پھر بیتنے پر برہما کی ایک رات ہوتی ہے۔ ایک کلپ میں چار کروڑ بتیس لاکھ برس ہوتے ہیں۔ اس حساب سے برہما کا ایک دن انسان کے چار ارب بتیس کروڑ سال کے برابر ہوتا ہے۔" کہئے کچھ حساب میں میں آیا آپ کے؟ اب ذرا کلجگ کے بارے میں چند پیش گوئیاں سن لیجئے اور پچھلے دنوں امریکہ سے مکسن بچوں کے صاحب اولاد ہونے کے بارے میں جو خبریں آئیں تھیں۔ انھیں یاد رکھئے۔ کہتے ہیں کہ کلجگ کے انت میں سات یا آٹھ سال کے لڑکے باپ بن جائیں گے اور چھ سات برس کی لڑکیاں گربھ دھارن کرتی ہوں گی۔ سولہ سال کی عمر میں مردوں کے بال پکنے لگیں گے۔ مرد اپنی عورتوں کے غلام بن جائیں گے۔ استری اپنے پتی کی سیوا نہیں نہیں کرے گی۔ جوان بڈھے ہو جائیں گے اور بڈھوں کا سوبھاؤ جوانوں کا سا بن جائے گا۔ کوئی کسی کی بات نہیں سنے گا۔ کوئی کسی کو گورو نہیں مانے گا سب لوگ سچائی کو چھپائی گے۔ باپ کو بیٹے کی اور بیٹے کو باپ کی ہتیا کرنے میں کچھ جھجک نہ

ہو گی پنڈت ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگ ہی سچائی کا خون کریں گے۔ سب لوگوں کا چال چلن اور پہناوا ایک جیسا ہو جائے گا وغیرہ.....

سولہ سنگھار کا استعمال ہمارے ہاں روزمرہ عام ہے۔ لیکن آیا آپ جانتے ہیں کہ یہ سولہ سنگھار ہوتے کیا ہیں ؟ علم و دانش کی یہ باتیں، دیو مالائی داستانیں، ہندوؤں کے تہذیب و تمدن، رہن سہن، رسومات اور عقائد و افکار کے بارے میں جاننے کے لیے یہ کتاب پڑھنا بہت ضروری ہے"

تحریریں
خالد نمبر

زید الخیر
(ذوالفقار تابش)

عبدالعزیز خالد کی شاعری کے بارے میں میں نے ایک بار اپنی رائے دیتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ "میں نے آج تک ایسے شاعر کا مطالعہ نہیں کیا جس کے موضوعات شعری کی جہتیں لامحدود ہوں۔ اُردو شاعری میں ایسی مثال صرف عبدالعزیز خالد کی ہے۔"

آج بھی میں اپنی اس رائے سے متفق ہوں اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عبدالعزیز خالد نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اسے کاغذوں میں سمیٹنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی کافی عرصے سے اس کی شاعری کا انتخاب کر رہے ہیں خدا معلوم اور کتنا عرصہ لگے گا اور پھر خالد کے بارے میں اتنا کچھ چھپا ہے کہ اس کی ضخامت کا بھی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ سیارہ کا خالد نمبر فانوس کا مقدمہ عبدالعزیز خالد نمبر (اصل نمبر کئی جلدوں میں ہوگا) تحریریں کا خالد نمبر I دو کتابیں مہمات خالد اور خالد شخص و شاعر اور اب تحریریں کے دو نمبر جو ۱۰۱۰ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ تحریریں کے پہلے نمبر کو اگر شامل کر لیا جائے تو صفحات کی تعداد ۱۴۳۲ بنتی ہے۔ ان ہزاروں صفحات پر محیط تحریریں کے خالد نمبر میں کوئی ایسا نقاد نہیں بچا جس نے خالد کی شاعری اور فن کے بارے میں کچھ بھی نہ لکھا ہو حتیٰ کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو صرف اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹروں کو خط لکھتے ہیں اور ایڈیٹر کی ڈاک میں اپنا نام دیکھ کر خود کو بھی نقاد اور ادیب سمجھنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ان دو نمبروں میں ۲۷۰ نقادوں اور شاعروں نے خالد کے فن شخصیت اور اس کی کتابوں کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے یہ تعداد دوگنی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ بعض نقادوں نے تین سے لے کر پانچ بار تک خالد کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اس کے علاوہ ۶۷ کے لگ بھگ لکھنے والوں سے تحسین فراقی نے خالد کے بارے میں آرا دریافت کر کے شامل کی ہیں۔ اس میں چند ایسی آرا بھی ہیں جو لمحۂ فکریہ مہیا کرتی ہیں۔ میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ یہ خالد کے بارے میں کس نتیجے پر پہنچاتی ہیں۔

"مجھے شعر عبدالعزیز خالد کی سمجھ نہیں آتی" (اظہر جاوید)

"میں نے عبدالعزیز خالد کا مطالعہ نہیں کیا صرف ان کی تخلیقات کے اشتہارات پڑھے ہیں۔" (روحی کنجاہی)

میں نے خالد کی شاعری بہت کم پڑھی ہے لیکن جتنی پڑھی ہے اس کی روشنی میں موجودہ دور میں شاعری میں ان کا کوئی مقام نہیں بنتا۔" (صابر ظفر)

بہرحال ان باتوں کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عبدالعزیز خالد نے اُردو شاعری کے دامن کو مالا مال کیا ہے اور اُسے الفاظ کے علاوہ موضوعات بھی دیے ہیں۔ ان دونوں نمبروں میں خالد کے فکر و فن اور اس کی شخصیت کے حوالے سے بہت سے مضامین جمع کر دیتے ہیں مگر خالد کا فن لامحدود ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہر وقت رہے گی کہ اس کے بارے میں اور بھی کچھ لکھا جائے اور اس میں ہی میں سمجھتا ہوں کہ خالد کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔ زاہدہ صدیقی نے اس کو مرتب کر کے یقیناً بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور خالد پرستی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اب ان نمبروں کی ضخامت دیکھ کر ہر رسالے کا ضخیم نمبر دیکھتے ہی عبدالعزیز خالد نمبر کا گمان ہوتا ہے۔

عبدالعزیز خالد حق دار بھی اس بات کے ہیں کہ جس رفتار سے اُنھوں نے لکھا ہے اور جتنا کچھ لکھا ہے اس کے مطابق نمبر بھی نکلنے چاہئیں۔ اس معیار پہ تحریریں کا یہ نمبر پورا اترتا ہے اور جس منفرد اور آفاقی رنگ کے حامل خالد ہیں اُسی قسم کے مضامین، مقالات، منظومات لکھی گئی ہیں اور ان کے فکر و فن کے بارے میں خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ عظیم نقّاد سیّد مسعود حسن رضوی ادیب کے بقول "خالد نے مناسبت مقام کا لحاظ رکھ کر اُردو لفظوں کے ساتھ کئی دوسری زبانوں کے لفظوں کی آمیزش اس خوبی سے کی ہے کہ زبان کی وسعت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ انتخاب و اختلاطِ الفاظ ہر شخص کے امکان میں نہیں ہے۔" میری رائے میں اس سے بڑا اخراج خالد کو اور کوئی نہیں دیا جا سکتا۔ تحریریں نے بھی اتنا وقیع اور ضخیم نمبر نکال کر خالد کی شاعری کا اعتراف کیا ہے اور یوں یہ نمبر خالد کے شایانِ شان ہے اور اس کے لیے زاہدہ صدّیقی سے زیادہ حفیظ صدّیقی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے مضامین اکٹھے کیے اور پھر اتنے صفحات شائع کیے۔

سلمیٰ رضا (اخبارِ جہاں کراچی)

عبدالعزیز خالد نے بہت لکھا ہے۔ اور جتنا انھوں نے لکھا ہے اس سے زیادہ ان پر تنقید لکھی گئی ہے۔ عربی و فارسی میں ان کا طوطی تو بولتا ہی ہے۔ لیکن عبرانی زبان میں بھی ان کا عمل دخل ہے۔ اُنھوں نے بے شمار مضامین لکھے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے انتیس مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اتنا کچھ کہہ چکنے کے بعد بھی ان کا یہی کہنا ہے کہ میں نے تو ابھی کچھ نہیں کہا ابھی تو صرف تمہید باندھی ہے۔ خدا کہنے کی توفیق دے گا تو کہوں گا۔

عبدالعزیز خالد کا سب سے بڑا کمال یہ ہے۔ کہ اُنھوں نے افسری کے باوجود لکھنے لکھانے کا شغف جاری رکھا اور وہ بھی اس قدر تیز رفتاری سے۔

ماہنامہ "تحریریں" نے تین جلدوں میں عبدالعزیز خالد نمبر نکال کر کسی حد تک یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ عبدالعزیز خالد اگر زود نویس ہیں تو ان پر تنقید کرنے والے اور ان کی تحریروں پر رائے دینے والے بھی ان سے پیچھے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ۔

اُن تینوں ایڈیشنوں میں ملک کا شاید ہی کوئی نقّاد ادیب یا شاعر ایسا ہو گا جس کی تحریر شامل نہ ہو۔ احسان دانش، قمر صدیقی، ناصر زیدی، فروغ احمد، وزیر آغا، انتظار حسین، ارشاد احمد حقانی، جمیلہ ہاشمی، باقر مہدی، احمد ندیم قاسمی، مشفق خواجہ، گرشن موہن، عبدالمتین عارف، ڈاکٹر بشارت علی، صمد انصاری، ماہر القادری (مرحوم) نعیم صدیقی، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، سیّد قاسم محمود، نصر اللہ خان، جمیل جالبی، سیّد وقار عظیم، غرض ناموں کی بڑی شاندار تعداد ہے۔ اگر صرف ناموں کو ہی تحریر کیا جائے تو پورا ایک صفحہ درکار ہو گا۔ ان سب تحریروں سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عبدالعزیز خالد کی شاعری اس امر کی غمّاز ہے کہ ان کے ہاں جہتیں لامحدود ہیں اور وہ کسی ایک فکر کے حوالے سے خود کو نہیں پہنچواتے۔ وہ اپنے ساتھ عربی فارسی کے افکار لے کر چلتے ہیں اسی لیے ان کی تحریر میں عربی نما اُردو کی جھلک عام ہے جو ان کے گہرے مشاہدے اور علم

کا بیّن ثبوت ہے۔

ان کی نظم "فارقلیط" مذہبی موضوع پر ناقابل فراموش کارنامہ ہے "فارقلیط" حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا وہ نام مبارک ہے جو انجیل میں لکھا گیا ہے۔ اور انجیل کے حوالے سے عبدالعزیز خالد نے حضور اکرمؐ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے جو اپنے اچھوتے انداز فکر اور خوبصورت ردیف وقافیے کی نسبت سے بھی لاثانی ہے۔

جہاں تک ان کی غزلوں کا تعلق ہے تو اب لگتا ہے کہ وہ ایک ارادی فعل کے تحت ایسے الفاظ اور تراکیب استعمال کر رہے ہیں جس سے نئے لکھنے والوں کے ذخیرہ الفاظ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ اگرچہ خالد ایک نظم گو شاعر کی حیثیت سے اپنا سکہ جما چکے ہیں۔ تاہم غزل کہنے میں بھی وہ اپنا مخصوص آہنگ رکھتے ہیں ان کی غزلوں

میں ایسی روم ہے۔ جو قاری کے ذہن کو ایک لمحے کے لیے بھی ادھر اُدھر نہیں ہونے دیتا۔ گویا خالد غزل کے مزاج سے پوری طرح باآگاہ ہیں۔ اور حق قلم ادا کر رہے ہیں۔ وہ ہر چند کہ روائتی انداز میں شاعری کرتے ہیں مگر استعارے نئے استعمال کرتے ہیں۔ اور ان کی شاعری اس بات کی گواہ ہے کہ وہ قاری کو مقصدِ حیات اور انسانی ذمہ داری سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ شعر ان کا نفس مطمئنہ کی بہترین مثال ہے ؎

جو مقدّر میں ہے ملے گا ضرور
کیوں دلِ نامراد نالاں ہے؟

اور یہ شعر اُردو غزل میں بلاشبہ ایک بہترین اضافہ ہے۔

ع غریب وہ ہے کہ جس کا کوئی حبیب نہیں
نہ وہ کہ جو نظر آتا ہے بے سروساماں

جہاں تک خالد کی تمثیلی نظموں کا ذکر ہے۔ ان نظموں کو شاعر کے حوالے سے اس وقت سمجھا جا سکتا ہے۔ جب موصوف قاری کے لیے تفہیم کی راہیں سجھائیں۔ اور یہ کام خالد نے تمثیلی نظموں کے آخر میں "عرض تمنا" لکھ کر کیا ہے۔ اُردو ادب میں طویل نظموں کا وجود برائے نام ہے اور تمثیلی نظموں کا تو کوئی ذکر نہیں۔

عبدالعزیز خالد کی شاعری کو سمجھنے کے لیے گہرے مشاہدے اور طویل مطالعے کی ضرورت ہے لیکن "تحریریں" کا خالد نمبر اس بڑے کام کے لیے ایک مختصر راستہ فراہم کرتا ہے۔ اس نمبر کو پڑھ کر عبدالعزیز خالد جیسے بڑے اور عہد آفریں شاعر کی شخصیت اور وسعت فن کو سمجھنا آسان ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تحقیقی مطالعہ کے لیے بھی بڑے کام کی چیز ہے۔ بلکہ عام قارئین سے زیادہ تحقیق کی جستجو کرنے والے ہی اس سے اصل فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اتنے بڑے اور وسیع کام کے لیے ماہنامہ "تحریریں" قابل مبارک باد ہے۔

محمد یوم اعتصامی (نوائے وقت لاہور)

طیور، آوارہ کو پکڑنے کے لیے پھندے (ٹریپ) بچھائے جاتے ہیں آبی جانور جیسے مچھلیاں پکڑنے کے لیے جال لگائے جاتے ہیں۔ کلیہ یہ ہے کہ ہر چیز کو قابو کرنے کے لیے ایک قاعدہ مقرر ہے مگر شہرت ایک ایسی چیز ہے جسے پکڑنے کے لیے کسی پھندے جال یا ٹریپ

کی ضرورت نہیں ہے اور نہ شہرت حاصل کرنے کا کوئی لگا بندھا قاعدہ مقرر ہے ۔ کیونکہ ایک ایسی چیز ہے جو بکڑی نہیں جاتی لائی جاتی ہے ۔
مشہور شاعر فاضل مفکر جناب عبدالعزیز خالد نے شعر کی زبان میں جو نتیس ضخیم کتب رقم کی ہیں تو ان کے حصے میں شہرت بھی وافر آئی ہے ۔ انگریزی کے لفظ کلاسیکل کی صحیح تعریف اُردو میں کیا ہے ؟ اگر اسے رنگ کہن کہا جائے تو ممکن ہے یہ اس لفظ کی تعریف کا صحیح ابلاغ نہ ہو ۔ تاہم کلاسیکی شاعر جناب خالد نے ہر موضوع جدید و قدیم پر طبع آزمائی ہے ۔ کیونکہ طبع رسا پائی ہے متعدد زبانوں پر عبور حاصل ہے ۔ اساطیری داستانوں سے لے کر موجودہ دور کی شخصیات اور عمارات کو بھی مشق سخن بنایا ہے جیسے قدیم دور بنو اسرائیل کی رقاصہ "سلومی" اور اسلامیہ کالج لاہور اگر شاعر محترم کا تعلق اور دار قدما سے ہوتا ۔ تو یقیناً ان کی شاعری نصاب میں شامل ہوتی اور اگر ان کا تعلق اور تعارف یورپی زبان کے شاعر کے طور پر ہوتا تو اب تک نوبل پرائز برائے ادبیات حاصل کر چکے ہوتے جب سے نوبل انعامات کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس دوران ایشیائی اور افریقی ممالک میں بے شمار منفرد و لاثانی صلاحیتوں کے حامل افراد گزرے ہیں جنھوں نے طبعیات مابعد الطبعیات ادویات اور ادبیات میں بیش قیمت تحقیقی کام بھی کیا ہے مگر نوبل انعام بہت کم متذکرہ ممالک میں تقسیم ہوا ہے جہاں ہم جاپانی اور سواحلی زبانوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں مگر آج تک کسی اُردو مصنف مفکر شاعر اور ادیب کے حصے میں نوبل انعام نہیں آیا ۔ پتہ نہیں اس کی کیا وجہ ہے ایک بار نوبل کمیٹی کے ایک رکن سٹاک ہالم سے ٹوکیو جاتے ہوئے کراچی میں ٹھہرے تھے ۔ کسی نے ان کی توجہ اُردو زبان کے شعری اور نثری مجموعوں کی طرف مبذول کرائی اور کہا کہ نوبل کمیٹی کو اُردو والوں کو بھی نوبل انعام دینا چاہیئے ۔ جواب دیا کہ اُردو بھی کوئی زبان ہے ۔ ؟ پھر کہنے لگے کہ اُردو زبان نوبل کمیٹی کی فہرست میں شامل نہیں پھر انھوں نے اُردو کو بھی اس میں شامل کرنے کی یقین دہانی کرائی ۔ بہر حال یہ آج سے دس بارہ سال قبل کی بات ہے ۔ مگر یوں لگتا ہے کہ یہ زبان ابھی فہرست پر نہیں آئی ۔

تبصرہ کے ضمن میں تمہیدی سطور کی طوالت کے لیے معذرت خواہ ہیں مگر یہ کچھ بیجا نہیں کیونکہ خالد جیسے عظیم اور زود گو شاعر کے رشحاتِ فکر کے نقد کے لیے ضروری بھی تھی زیر تبصرہ ماہنامہ تحریریں نے عبدالعزیز خالد کے تمام شعری مجموعوں پر تین ضخیم شمارے شائع کیے ہیں ہر شمارہ خالد صاحب کے فن کا ناقد اور محیط ہے اس طرح ان کی تمام کتب شعری پر نقد آ گیا ہے لکھنے والوں میں اُردو کے ممتاز اہل قلم شامل ہیں ۔
مدیرہ زاہدہ صدیقی صاحبہ نے ایک بڑے اور بکھرے کام کو جس طرح سمیٹا ہے اس پر وہ اور ان کا ادارہ تحسین و آفرین کا مستحق ہے ان تینوں شماروں کی یادگاری حیثیت ہمیشہ کے لیے مستحکم رہے گی اور وہ قارئین جو خالد صاحب کے فکر و فن کو جاننا چاہیں انہیں یہ تینوں ثانی شمارے پڑھنے چاہئیں ۔

عنایت اللہ
(حکایت ڈائجسٹ)

"تحریریں" ایک جانا پہچانا ادبی پرچہ ہے ۔ اس کا زیر نظر شمارہ اُردو کے مشہور فلسفی شاعر عبدالعزیز خالد کی شخصیت اور فن کے لیے وقف کیا گیا ہے ۔ لکھنے والوں میں تقریباً تمام صفِ اوّل کے ادیب ، شاعر اور نقاد شامل ہیں ۔ اس سے پہلے "تحریریں" عبدالعزیز خالد نمبر

کی دو جلدیں شائع کر چکا ہے۔ ان میں عبدالعزیز خالد کی شخصیت اور شاعری کے ہر پہلو کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ عبدالعزیز خالد کی چند ایک نظمیں بھی شامل کی گئی ہیں۔

اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں رہی کہ عبدالعزیز خالد نے اُردو ادب کو نیا اور منفرد اسلوب دیا ہے۔ شاعر موصوف کو عربی، فارسی، لاطینی اور عبرانی زبانوں پر عبور حاصل ہے اور قرآن کا مطالعہ تو اتنا وسیع اور عمیق ہے کہ آیاتِ قرآنی شعروں میں ڈھلتی چلی جاتی ہیں۔ خوبی یہ کہ ان آیات کا ترجمہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ دوسری زبانوں کے منظوم تراجم کے علاوہ خالد نعت گو بھی ہیں لیکن ان کی نعتوں میں صرف جذبات نہیں، واقعات ہوتے ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ، حیاتِ طیبہ اور اقوال و اعمال شامل ہوتے ہیں۔

ادارہ "تحریریں" اس عظیم نمبر پر خراجِ تحسین کا مستحق ہے اور عبدالعزیز خالد اس عظیم نمبر کے مستحق۔

یزدانی جالندھری

عبدالعزیز خالد دنیائے ادب کی قد آور شخصیت ہیں۔ اپنے تبحرِ علمی۔ بلند پایہ شاعری اور انسان دوستی کے ناطے معروف و مقبول ہیں۔ ان کی شاعری وقت نظر۔ علو تخیل۔ شکوہِ الفاظ اور خلوص جذبات کا آئینہ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ان کا جذبۂ حُبِّ رسولؐ ہے۔ ان کی شاعری کے بارے میں مولانا ماہر القادری کی یہ رائے بڑی متوازن ہے کہ۔ "ان کی شاعری لطف انگیز ہی نہیں فکر انگیز بھی ہے۔ جہاں تک تلمیحات کا تعلق ہے اس صنعت میں وہ تمام اُردو شاعری میں منفرد ہیں کیسی کیسی حسین تشبیہیں اور تلمیحات ہیں جو اُردو شاعری میں ڈھل کر سحر حلال بن گئی ہیں"۔ عربی اور فارسی کے ساتھ یورپ کے قدیم و جدید ادب پر انہیں گہرا عبور حاصل ہے۔ اور اُنھوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے جس سے ان کی شاعری کا قد و قامت دوبالا ہو گیا ہے۔

ملک کے متعدد ادبی جرائد نے عبدالعزیز خالد کے فکر و فن کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے خاص شمارے شائع کیے ہیں۔ اس سلسلہ کا آغاز "سیّارہ" کے خاص نمبر سے ہوا تھا اور ماہنامہ تحریریں کے زیرِ تبصرہ دو ضخیم "عبدالعزیز خالد نمبر" اس سلسلہ کی تازہ کڑیاں ہیں۔ جنھیں زاہدہ صدیقی نے بڑی کاوش اور عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔

دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ان دونوں خصوصی شماروں میں عبدالعزیز خالد کی شخصیت اور فکر و فن پر قیمتی مضامین، نظم و نثر یکجا کر دیئے گئے ہیں جو یقینی ایک بیش بہا ادبی خدمت ہے۔ دونوں خاص نمبر مختلف حصّوں میں منقسم ہیں۔ ان میں معاصر شعرا کا منظوم خراجِ تحسین بھی ہے خالد کی مطبوعات پر تنقیدی مضامین بھی، ان کے فن کا جائزہ بھی، ان کی نعت گوئی کا تجزیہ بھی۔ ان کے اسلوبِ نگارش پر تبصرے بھی، ان کے نام خطوط بھی اور ان کی شخصیت کی نقاب کشائی بھی۔ غرض شخصیت و فن کے حوالے سے عبدالعزیز خالد کی جامع تصویر پیش کی گئی ہے۔

ان خاص نمبروں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ صرف ایک ہی پہلو پیش نہیں کیا گیا اور یہ صرف منثور و منظوم قصائد ہی پر مشتمل نہیں بلکہ متوازن تنقید بھی موجود ہے۔ ان نمبروں کی اشاعت ایک گرانقدر ادبی خدمت ہے جس کا ادبی حلقوں میں یقیناً خیر مقدم کیا جائے گا۔

ڈاکٹر وقار راشدی

عبدالعزیز خالد ہمارے معاصرین میں سب سے بڑے نہیں تو بہت بڑے عالم، شاعر اور اسکالر ہیں ان کی ہمہ جہت شخصیت، بے پناہ شاعرانہ و عالمانہ خدمات کے اعتراف میں ان کی عظمت کو جس انداز سے خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اس کے وہ مستحق ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف وہ قد آور شخصیتیں کر چکی ہیں جن کی بلندیٔ فکر و دانش تک رسائی برساتی دعویدار قلمکار و فنکار کے بس کی بات نہیں۔ میرے اس ادنیٰ خیال کی تصدیق و تائید "تحریریں" کے زیرِ نظر خالد نمبر سے بھی ہوتی ہے۔

بڑے سے بڑے محققوں، ادیبوں اور شاعروں نے اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار نہایت فراخ دلی، بلندیٔ نظر سے کیا ہے۔ اربابِ قلم میں کوئی نہیں جس نے خالد کی زندگی، شخصیت اور فکر و فن کا اپنے اپنے زاویۂ نگاہ و نقطۂ نظر سے جائزہ نہ لیا ہو۔ ان میں نئے پرانے، ترقی پسند اور تنزل پسند سب ہی مکتبۂ نظر کے لکھنے والے شامل ہیں۔ پسند نام بھی گنوا دوں۔

احسان دانش۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ ڈاکٹر عبداللہ۔ مجنوں گورکھپوری۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ نعیم صدیقی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ ماہر القادری۔ کامل القادری۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، عارف عبدالمتین پروفیسر حفیظ صدیقی۔ انور سدید۔ فروغ احمد۔ ابنِ انشا۔ انتظار حسین۔ رفیق خاور۔ مرزا ادیب۔ زاہدہ صدیقی۔ اکبر کاظمی۔ ذوالفقار احمد تابش۔ ابوسلمان۔ شاہجہانپوری۔ وقار راشدی اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ۔

ان میں سے بعض اہلِ فن ایسے ہیں جن کے حدود اربعہ کی دیواریں منہدم ہو چکی ہیں۔ کھنڈرات سے وہ روپ صاف جھلک رہا ہے جو "ازم" کی دیواروں کے پیچھے اوجھل تھا یہ وہ لوگ ہیں جو داخلی طور پر عظمتِ خالد سے خوف زدہ ہیں لیکن خارجی طور پر غالباً بحالتِ مجبوری یا مصلحتاً اعترافِ عظمت کر لیتے ہیں یعنی ان کا قلم کچھ لکھتا ہے ان کی زبان کچھ کہتی ہے۔

ترقی پسند تحریک کے ترقی پذیر دور میں اس ڈپلومیسی یا منافقت کی گنجائش کہاں تھی؟ جواب موقع پرستوں نے نکال لی ہے۔ کیا ادب برائے زندگی یا ادب برائے ترقی کے لیے یہی روش اپنانی چاہیئے؟

اخلاقی جرأت، خود شناسی اور سچائی کے بغیر کوئی صحت مند ادب کیوں کر تخلیق پا سکتا ہے؟

بہرکیف! آپ نے جس خلوص اور نیک نیتی سے خالد نمبر کی تہذیب و تدوین کی ہے جس انداز سے دوسری اور تیسری جلدوں میں خالد کے افکار و خیالات کو اربابِ علم و فکر کی خدمت میں پیش کیا ہے اس کو محسن قرار نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ پُرخلوص و بامقصد محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

خدا آپ کے حوصلے کو اور بلند کرے۔

خالد ایک نیا آہنگ

ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی

خالد "ایک نیا آہنگ" عبدالعزیز خالد کے متعلق ایک مستقل تصنیف ہے اس میں خالد کی سوانح، شخصیت کا علمی ادبی پہلو اور شاعری کا جائزہ اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ خالد کی بھرپور شخصیت اور شاعری کا نیا آہنگ نمایاں طور پر سامنے آگیا ہے خالد نے اُردو شاعری کو بہت سی فرسودہ رسوم سے آزاد کرا لیا ہے اُنھوں نے انوکھے اور رموہ لینے والے تجربے کیے ہیں ان کے فن شخصیت اور شاعری پر بڑا تفصیلی کام ہوا ہے اس کی باقاعدہ ابتدا ماہنامہ سیارہ لاہور نے تین جلدوں میں عبدالعزیز خالد نمبر نکال کر کی۔ اس کے بعد ماہنامہ تحریریں" نے تین جلدوں میں "خالد نمبر" نکالا۔ پھر ماہنامہ فانوس لاہور نے "خالد نمبر" کی پہلی جلد شائع کی۔ اس کے بعد کتابوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پروفیسر حسین سحر نے خالد شخص وشاعر" کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دی۔ اس زمانے میں کامل القادری نے "مہمات خالد" کے عنوان سے اپنی تصنیف پیش کی ان کی دوسری کتاب جو کہ اسی سلسلے کی کڑی ہے "فتوحاتِ خالد" تکمیل کے مراحل میں ہے۔ وفا راشدی نے بھی نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے خالد کی شخصیت اور فنی پہلوؤں کو اپنی مسلسل تحقیق کی روشنی میں پرکھا ہے اُنھوں نے مختلف عنوانات قائم کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ خالد کیا پیغام دینا چاہتے ہیں۔ وہ بڑی گہرائی میں گئے ہیں۔ نعتیہ اور ملی شاعری۔ خالد کی شاعری میں عورت کا مقام۔ اور مرتبۂ تلمیحات، نظریۂ فن وحیات اخلاقیات غرض ہر بات کا جائزہ لیا ہے۔ وفا راشدی نے خالد کی شاعری کو ایک نئے زاویئے سے پرکھا ہے ان گوشوں کو نمایاں کیا ہے جن پر یا تو لکھا ہی نہیں گیا تھا اور اگر لکھا بھی گیا تو اتنی گہرائی اور تفصیل کے ساتھ نہیں۔

خالد ہمارے دور کے ایک عظیم شاعر ہیں اُنھوں نے شاعری کو گل و بلبل اور عشق و محبت کی داستانوں سے ہر ممکن طریقے نجات دلانے کی کوشش کی ہے اُنھوں نے شاعری کے جس عمل کو دھرایا ہے اس میں اُن کے علم کی وسعت، جمالیات کا ذوق. نفاست

تجربوں اور مشاہدوں کی روشنی اس انداز سے شامل ہے کہ وہ معاشرے کے قریب آگئے ہیں اور زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ خالد کی شاعری کی سطح قدرے بلند ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کا ذہن فلسفیانہ ہے اور ان کے ذہن میں پہلے سے ایک معیار موجود ہے۔ اور وہ اپنے اس مخصوص معیار سے نیچے اترنا پسند نہیں کرتے لیکن وہ بات کو سلیقے سے کہنے کا ڈھنگ جانتے ہیں وہ انسانی نفسیات کے گُر سے واقف ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سنجیدہ قاری ان کی بات تو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں خالد کی شاعری کی بنیادیں علم کی وسعت اور خلوص پر مبنی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں گہرائی اور گیرائی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خالد کی شاعری میں عربی اور فارسی کی ثقیل قسم کے الفاظ، استعارے، تشبیہات اور تلمیحات زیادہ ہوتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ شاعری کی کوئی خامی نہیں ہے اور اصل ان کا قاری وہی ہے جو ان کی سطح پر ان کی باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر مشکل پسندی کی بات ہو تو یہ بات غالب کے ہاں بھی ہے بلکہ میرا خیال ہے غالب کے بعض اشعار تو معمہ گوئی کی حد تک اچھی خاصی ذہنی ورزش کراتے ہیں۔

وفا راشدی خالد کے سنجیدہ قاریوں میں سے ہے انھوں نے خالد کی شاعری ہی کو نہیں پڑھا بلکہ خالد کو بہت قریب سے دیکھا بھی ہے ان سے بارہا مختلف موضوعات پر گفتگو بھی کی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ خالد علمی اور ادبی لحاظ سے کس معیار کے انسان ہیں ان کا ماحول کیا ہے شعر گوئی ان کے نزدیک کیا اہمیت رکھتی ہے اُن کے اشعار میں جو گہرائی ہے اس کی کیا وجہ ہے اُنھوں نے خالد کی شاعری کو ان کی شخصیت سے الگ نہیں کیا ہے بلکہ شاعری کو شخصیت اور شخصیت کو شاعری سے سمجھنے میں مدد لی ہے۔ یہاں یہ بات نہایت قابل ذکر ہے کہ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر عقیدت کا عنصر کہیں بھی غالب نہیں ہوا ہے۔

پوری کتاب میں وفا راشدی کی محنت، علمی ادبی ذوق۔ مذہب تاریخ اور اخلاقیات سے گہرے لگاؤ کی واضح مثالیں سامنے آئی ہیں۔ وہ خالد کے فلسفیانہ ماحول سے مانوس ہیں ان کی نجی زندگی ان کے مشاغل ان کا مذہبی رجحان اُن کی لگن جذبوں اور ادبی خلوص کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کی ادبی شخصیت کا احاطہ کیا ہے اور یہ شخصیت کیونکہ مکمل طور پر ان کی شاعری میں یہ شامل ہے اس لیے اس کتاب کی روشنی میں خالد کو سمجھنا زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ وفا راشدی نے خالد کی علمی و ادبی شخصیت کے جو پہلو ہمارے سامنے پیش کیے ہیں ان سے عام قاری بھی اب خالد کو زیادہ بہتر طور پر پہچان کر حظ اٹھاتا ہے۔

خالد ایک مرد قلندر پڑھنے کے بعد قاری آسانی سے اندازہ لگا لیتا ہے کہ خالد کی شاعری کا اصل مقصد کیا ہے۔ خالد کا عشق رسول کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ خالد ملک اور قوم کے بارے میں کس انداز سے سوچنے کا عادی ہے۔ خالد تاریخ سے کیا کام لیتا ہے۔ خالد قومی ملکی معاشی معاشرتی۔ تہذیبی۔ سماجی اور مذہبی مسائل اپنی شاعری میں کس طرح سموتا ہے۔

وہ کون سے محرکات ہیں جو خالد کو اس انداز سے سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وفا راشدی نے ان تمام باتوں کو کھوج لگایا ہے۔

وفا راشدی کی زبان میں روانی شگفتگی اور شستگی ہے وہ مشکل سے مشکل اور فلسفیانہ بات کو دلچسپ اور مؤثر پیرائے میں بیان کرنے پر قادر ہیں۔ ان کا انداز بیان میں علمی ادبی شان کے علاوہ دلچسپی اور دلکشی ہے۔

ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل

خالد ایک نیا آہنگ کی تقریب اشاعت کے سلسلے میں آج ہم لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ کتاب مکتبہ فانوس لاہور کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مصنف وفا راشدی صاحب اُردو کے نامور ادیب، محقق اور شاعر ہیں۔

وفا راشدی صاحب چالیس برس سے زبان و ادب کی بے لوث و بے پایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی زندگی محنت و خدمت سے عبارت ہے انتھک کام کرنا اور مسلسل مطالعہ جاری رکھنا ان کا دیرینہ مشغلہ ہے ان کے تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین ہندوستان اور پاکستان کے اکثر و بیشتر رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

وفا راشدی نے اُردو کی کئی مفید اور معلوماتی کتابیں لکھی ہیں جن میں جہانِ رنگ و بو، پیام نو، بنگال میں اُردو، چاند تارے، سنہرا دیس، اُردو میں قومی شاعری قابل ذکر ہیں دو کتابیں زیر اشاعت ہیں کیفیاتِ غالب اور حیات وحشت، مرزا غالب اور علامہ رضا وحشت سے متعلق بڑی اہم کتابیں ہیں۔

وفا راشدی صاحب نے اُردو کے حوالے سے بنگلہ زبان و ادب پر بھی بے مثال کام کیا ہے اس موضوع سے متعلق ان کے متعدد تحقیقی مضامین نقوش لاہور، ماہِ نو کراچی اور الولی حیدر آباد (سندھ) میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے بعض مضامین سندھی میں ترجمہ ہو کر ماہنامہ نئی زندگی کراچی میں شائع ہوئے ہیں۔ اُن کی قابل قدر کتاب سنہرا دیس سابق مشرقی پاکستان کی تاریخ، ثقافت، علم و ادب اور تصوف پر مشتمل ہے سنہرا دیس کو حکومت پاکستان کی جانب سے شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے، ان کی دوسری کتاب، مشرقی و مغربی بنگال میں اُردو زبان و ادب کی ابتدا سے ۱۹۵۵ء تک کی پوری تاریخ ہے۔ اس کتاب کی اہمیت وہی ہے جو محمود شیرانی کی پنجاب میں اُردو اور نصیر الدین ہاشمی کی دکن میں اُردو کی ہے۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد سے وفا راشدی صاحب سندھ کی تاریخ ثقافت اور تصوف سے متعلق مختلف انداز میں تخلیقی و تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ حال میں اُنھوں نے سندھ ہی کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے سندھ یونیورسٹی میں اپنا گراں قدر مقالہ پیش کر دیا ہے جس کا عنوان ہے "اُردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ"، اس کتاب کی اشاعت کے بعد وفا صاحب کے مزید کمالات کا انکشاف ہوگا۔

مذکورہ بالا خدمات اور تصنیفات کے علاوہ وفا صاحب کی ایک اور اہم تصنیف لائق توجہ ہے جس کا نام۔

"خالد ایک نیا آہنگ" ہے اس کی تقریب اشاعت پر وفا راشدی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

وفا راشدی صاحب نے اس کتاب میں مشہور معروف شاعر اور صاحبِ علم و صاحبِ قلم عبدالعزیز خالد کی زندگی، سوانح، شخصیت اور شاعری کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وفا صاحب صرف محقق ہی نہیں تنقید و تنقیح کا ایک خاص نظریہ رکھتے ہیں۔ یہ کتاب وفا صاحب کی تحقیق و تنقید کا خوبصورت امتزاج اور ان کی علمی و ادبی بصیرت کی آئینہ دار ہے۔ عبدالعزیز خالد پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن جن پہلوؤں پہ وفا صاحب نے اپنے مخصوص انداز اور انفرادی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے وہ اوروں سے بالکل مختلف بالکل جدا ہیں۔ ان پہلوؤں پر لکھنے کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کو وفا راشدی نے بڑی خوش اسلوبی اور جادو بیانی سے پورا کیا ہے خالد ایک نیا آہنگ کے مطالعہ سے عبدالعزیز خالد کو جاننا اور سمجھنا زیادہ آسان ہو گیا۔

پروفیسر سید قوی احمد پرنسپل سندھ کالج آف کامرس اپنے قابل قدر مضمون میں لکھتے ہیں۔

"عبدالعزیز خالد کے بارے میں اگر مجھ سے چند جملوں میں کچھ کہنے کو کہا جائے اور قید یہ لگائی جائے کہ خالد کو کرنے کے لیے صرف ایک جملہ ادا کروں تو میں کہوں گا۔ خالد وہ ہے جو خالد ایک نیا آہنگ میں ہے"

میرے نزدیک یہ وفا راشدی کا کمال ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس نے خالد ایک نیا آہنگ کا مطالعہ کیا وہ قوی صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرتے میں تامل نہیں کر سکتا اور میری بھی یہی رائے ہے۔ خدا وفا راشدی صاحب کو مزید علمی و ادبی خدمات کے لیے سلامت رکھے (آمین)

نوٹ :- ۱۹ مارچ ۱۹۸۱ء کو وفا راشدی کی تصنیف خالد ایک نیا آہنگ کی تعارفی تقریب پاکستان نیشنل سینٹر حیدر آباد میں زیرِ صدارت ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل منعقد ہوئی ڈاکٹر موصوف نے اپنا یہ مضمون اس موقعہ پر پڑھا۔

پروفیسر سید قوی احمد

عبدالعزیز خالد پر وفا راشدی کی تازہ تصنیف۔ خالد۔ ایک نیا آہنگ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں ایک پختہ شاعر کے کلام کی ہمہ رنگی کو ہمہ جہت انداز میں مفسر کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ غالب کی طرح خالد بھی مشکل پسند ہیں۔ اس لیے ان کے قاری ان کے نام سے زیادہ اور کام سے کم واقف ہیں۔ وہ احترام خالد پر اس لیے مجبور نظر آتے ہیں۔ وہ کہ خالد خمیرہ گاؤزبان با ورقِ نقرہ پیچیدہ کی صورت اپنی شاعری کے عنوان اور اشعار کے مفہوم پیش کیا کرتے ہیں ان کی عربی دانی اور عربی فہمی انہیں اس بلیغ ترین اور حسین ترین زبان کی جادو نگری سے نکلنے نہیں دیتی لیکن اگر ان کے قاری کو وفا راشدی کی کتاب کی صورت اس پُراسرار شخصیت کی رونمائی نصیب ہو جائے تو خالد کی شاعری میں تو کیا اضافہ ہو گا ہاں اُن کے پڑھنے والوں کا دائرہ فہم و ادراک ضرور وسیع

ہو سکتا ہے اور یہ میرے ساتھ ہوا۔ میں نے جب وفا راشدی کی مذکورہ کتاب کو پڑھا تو خالد سے میری عقیدت آہستہ آہستہ دوستی اور دوست فہمی میں بدلتی گئی اور یہ وفا راشدی کی تحریر کا کمال ہے کہ آج اس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں عبدالعزیز خالد کو کل سے زیادہ جانتا ہوں اور عزیز دوست مانتا ہوں۔

اصل میں عبدالعزیز خالد کو تین شاعروں کا حسین اجتماع سمجھتا ہوں ان میں سے ایک اقبال، دوسرا غالب اور تیسرا جوش۔ غالب کی مشکل پسندی اور گہرا شعور حیاتِ اقبال کی قومی شاعری اور عشقِ رسول اور جوش کی زبان دانی اور تراکیب کا استعمال اگر یکجا ہو جائے اور اس میں عربی زبان کا حسن، بلاغت، وسعت اور فراغ بھی نصیب ہو جائے تو اسی کا نام عبدالعزیز خالد بنتا ہے۔

جن لوگوں نے عبدالعزیز خالد کو ان کی شاعری کے توسّل سے سمجھا ہے وہ انہیں ایک پُراسرار شخصیت ہی سمجھتے ہیں علم کے ہمالہ پر بیٹھا ایک قلندر مگر وفا راشدی سے ان کا رشتہ بوریا نشینی کا ہے وہ ان کے دوست اور وہ بھی پرانے دوست ہیں اس لیے خالد کو سمجھنے کے لیے وفا راشدی کی تخلیق اس لیے بھی وقیع ہو جاتی ہے کہ اس میں خالد کو علمیت کے علاوہ انسانیت کی جھلک نمایاں ہے یہ انسانیت کی دلیل نہیں تو کیا ہے کہ وہ قول و فعل میں یکسانیت، فکر و عمل میں ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ وہ ایک افسر ہونے کے باوجود ایک ایسے قلندر ہیں جسے جو چاہے پکڑ لے اور جب چاہے دعا کرا لے، اپنے حق میں بھی اور اس کے دشمنوں کے حق میں بھی۔

عبدالعزیز خالد کے بارے میں اگر مجھ سے چند جملوں میں کچھ کہنے کو کہا جائے۔ تو میں یہ کہوں گا:
کہ وہ عاشقِ رسول، شناسائے زبانِ عربی، دانائے فرہنگ فارس اور واقفِ کمالِ شاعری ہے!

سیّد ظفر ہاشمی

جناب وفا راشدی صاحب ایم۔اے میرے خواجہ تاش ہیں یعنی وہ بھی میرے اُستاد مکرّم خان بہادر علامہ رضا علی وحشت کلکتوی کے شاگرد عزیز ہیں۔ اور میں بھی حضرت علامہ کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں۔

جناب عبدالعزیز خالد سرزمین جالندھر سے تعلق رکھتے ہیں۔

جالندھر بھی بڑا مردم خیز خطّہ ہے اس مردم خیز خطّے کے ایک ملک الشعراء مولانا غلام قادر گرامی مرحوم نے اسے اپنا مولد ہونے کی نسبت سے کہا تھا۔

نظم دلکش بخواں بہ طرزِ دگر
مولدِ تست شہر جالندھر
ذرّہ اش بر ستارہ چشمک ریز
خاک جالندھر است مردم خیز

عبدالعزیز خالد کا تعلق جالندھر سے ہے۔ اس تعلق سے میں بہ تصرّف اقبال ان کی خدمت میں سلام بھیجتا ہوں۔

صبا بہ مولدِ خالدؔ سلام ما برساں ؎
کہ چشمِ نکتہ وراں خاک آں دیار فروخت

جناب وفا راشدی کی تصنیف "خالد ایک نیا آہنگ" جب میرے روبرو آئی تو بے اختیار میری زبان پہ آگیا ؎

ملت از جسم است شاعر چشم اوست
جسم را از چشم بینا آبروست

اور خالد صاحب کا یہ دعویٰ درست ہے ؎

خالد ملک الکلام خالد
مشہورِ انام، نام اس کا

خالدؔ کے تمام کلام کا نچوڑ وفا صاحب نے اپنی اس کتاب میں رکھ دیا ہے۔ اُنھوں نے خالدؔ کی زندگی اور شاعری کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ اور یہ اُن کی تحریر کا کمال ہے۔ خالدؔ کے قبضہ میں شعری دُنیا کی ایک سلطنت ہے جس پر وہ حکمراں ہیں اور بجا طور پہ خود ہی کہتے ہیں ؎

ہم اپنے ذہن کو ایک سلطنت سمجھتے ہیں
دل و دماغ ہیں سرچشمہ شعر و حکمت کا

عبدالعزیز خالد نے شعر میں جو راہیں تلاش کی ہیں وہ موجودہ شعرا کی روش اور ڈگر سے علیحدہ اور جُدا ہیں۔ وہ پُرانی روایاتِ شعری کے قائل نظر نہیں آتے۔ اُنھوں نے اپنا ایک خاص اسلوب اختیار کیا ہے غزل ہو یا نظم، نعت ہو یا منقبت تمام میں ان کی انفرادیت جھلکتی ہے اُنھوں نے اپنے فکر و احساس کو نیا پیراہن اوڑھایا ہے ؎

دیدہ و دل کے حجابات کہن چاک ہوئے
فکر و احساس نے اوڑھا ہے نیا پیراہن

اور یہ اُردو ادب کے لیے فال نیک ہے۔ علامہ اقبال بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں ؎

برآ ز کہنہ سرائے کہ در بیختند ز خاک
جہانِ دل شدگان آفریدۂ چنگ است

یقیناً خالدؔ کا اسلوب انداز علامہ اقبال کی فکر و نظر، رفعت و برتری کا آئینہ دار ہے۔ اقبال کی دعوت اور خالدؔ کی دعوت دونوں کا مقصد ایک ہے۔ خالد کے ہاں بھی وہی پختگی اور استقامت ہے۔ ان کا فکر و خیال جس دُنیا کو دیکھ رہا ہے وہ بہت ارفع و عظیم ہے، ان کا احساس جس چیز کی شہادت دیتا ہے وہ نامعلوم نہیں بلکہ پکار کر کہہ رہا ہے ؎

فن نبوّت ہے اداکاری نہیں
ملک و ملّت کی امانت ہے قلم

حضور احمد سلیم

"خالد - ایک نیا آہنگ" اُس کتاب کا نام ہے جو وفا راشدی کے وفا کیش قلم نے عبدالعزیز خالد کی سوانح، شخصیت اور شاعری کے بارے میں تحریر فرمائی ہے۔ خالد شاعر امروز و فردا، ذکر خالد۔ خالد ایک مرد قلندر۔ خالد کی نعتیہ شاعری خالد کی ملی شاعری۔ خالد کی شاعری میں عورت کا مقام، خالد کی شاعری میں تلمیحات، خالد کی غزلیں۔ خالد کا نظریہ، فن و حیات اور خالد کی شاعری میں اخلاقیات یہ وہ دس عنوانات ہیں جن کے تحت لکھے گئے مختصر مضامین ۸۰ صفحات کی کتاب پر محیط ہیں۔ ایک ایسی کتاب جو کسی شخص کے خدوخال اور اس کے بطون و حال کی پہچان کے لیے کافی متصور کی جاسکتی ہے۔

عبدالعزیز خالد کے سوانحی خاکے میں، ان کی تاریخ ولادت، بچپن کے حالات، اسکول اور کالج کی زندگی کی اساتذہ کی بابرکت صحبتیں، شادی، ملازمت، ان کے شعری ذوق اور فکری استعداد کے بارے میں معلومات افزا باتیں کہی گئی ہیں۔ کہتے ہیں ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ وفا راشدی، خالد کے زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ یوں رقم فرماتے ہیں کہ۔

"خالد جب پانچویں جماعت میں تھے تو ایک دن ایک سکھ ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولز سالانہ معائنے کے لیے اسکول میں آئے اور خالد سے اس شعر کا مطلب دریافت کیا ؂

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

وہ خالد کی تشریح سے بہت خوش ہوئے۔ سکھ انسپکٹر آف اسکولز کے ریمارکس یہ تھے۔

"جی چاہتا ہے اس لڑکے کو ڈبیا میں بند کر کے جیب میں ڈال کر اپنے ساتھ لے جاؤں"

اس جملے نے خالد کی راہ زندگی میں عزم و ہمت، لگن اور محنت کی مشعل روشن کی۔ یہاں راقم الحروف یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ وہ انسپکٹر آف اسکولز اگر سکھ نہ بھی ہوتا تو خالد کے عزم و ہمت کی مشعل کو تو بہر حال روشن ہونا ہی تھا البتہ جائے شکر ہے کہ وہ اُس ہونہار بروا کو ڈبیا میں بند کر کے جیب میں ڈال کر ساتھ نہ لے گیا۔ اور یہ بہت اچھا ہوا، آج کی تعارفی تقریب کے پیش نظر اگر میں یہ کہوں کہ جناب وفا راشدی کے لیے آج کے خالد کو ڈبیا میں بند کرنے کی بات تو بہ تقاضائے سن و سال محال تھی البتہ اُنھوں نے خالد کے بارے میں یہ کتاب لکھ کر سمندر کو کوزے میں ضرور بند کر دیا ہے موصوف تو یہ کام شرط استواری کے ساتھ کر گزرے کہ اُن کی نیک تمناؤں کا ہدف طاؤس شعر کا مستانہ رقص تھا مگر میرے سامنے جو یہ۔ نیا آہنگ ہے وہ نثر پر مشتمل ہے یا یوں کہیے کہ یہ ہزار داستان نثر میں نغمے الاپ رہی ہے میری مشکل یہ ہے کہ مجھے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا فن نہیں آتا ہے۔ اے کاش جو کچھ میرے سامنے ہے اُسے بوتل میں بند کرنے ہی کا گر آتا۔ تو کامیابی میرے قدم بھی چومتی۔

جن دس عنوانات کا ذکر میں نے ابھی کیا، وفا راشدی کا رویہ ان موضوعات کے ساتھ مصنفانہ عادلانہ ہی نہیں بلکہ فراخ دلانہ بھی ہے اُنھوں نے ہر عنوان کا آغاز ایک دلچسپ اور خوبصورت تمہید سے کیا ہے، خالد کے کلام تجزیے سے پہلے، اُنھوں

نے قدما کے آثار و اشعار سے دلائل اور شواہد پیش کر کے اپنی بات کو استحکام اور پختگی، بخشی ہے۔ مثلاً خالد کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اظہار خیال سے پہلے وہ عرب و عجم اور ہند و پاک کے متعدد شعراء کے نام گنواتے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے انداز میں نعتیہ شاعری کے چراغ فروزاں کیے۔ پھر جستہ جستہ ان کے کلام سے اقتباس درج کیے ہیں اس ضمن میں مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال قابلِ ذکر نام ہیں۔ ان جا بجا حوالوں سے عشقِ رسولؐ کی مہک مشامِ جاں کو معطر کرتی ہے۔ خالد کے اشعار کو اپنے مضمون سے مربوط کرنے سے پہلے جس طرح وفا راشدی اپنی جولانی طبع کا اظہار فرماتے ہیں۔ میں اسے ان کے مخصوص اندازِ تحریر سے تعبیر کروں تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"منجملہ خالد کا نعتیہ قصیدہ ہے اس میں شاعر کا فن، ارتقائی مرحلوں سے گزر کر عروج و کمال کی منزل پر نظر آتا ہے ــــ یہ طویل نظم خالد کی ملی شاعری کے مخصوص اسٹائل اور خاص طرزِ تخیل کا شاہکار ہے، اظہار بیان کی روانی، بے ساختگی اور جذب و کشش نے خالد کو ایک ممتاز اور منفرد مقام عطا کر دیا ہے نعتیہ کلام کی ایسی خصوصیت ہماری اردو شاعری میں اس سے پہلے موجود نہ تھی۔ شاعر کس دم خم اور جوش و خروش کے ساتھ ثنائے خواجہ میں گم ہے"

میں نے محسوس کیا کہ اُن کے پُر خلوص جذبات، ان کے لکھے ہوئے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہیں۔ اُنھوں نے اس کتاب میں ایک جگہ خالد سے اپنی پچیس سالہ رفاقت کا بھی ذکر کیا ہے۔ رفاقت بھی عقیدت اور ارادت میں رچی بسی ہوئی وہ لکھتے ہیں کہ مجھے صرف وہ شخص عزیز ہے جس کا نام عزیز ہے۔ اُن سے میری ملاقاتیں اتنی بار ہو چکی ہیں کہ اب کوئی غیریت اور اجنبیت باقی نہیں رہی۔

وفا راشدی کا کہنا ہے کہ خالد اپنے بارے میں ہر قسم کی تنقید یا نکتہ چینی کو خندہ پیشانی سے گوارا کر لیتے ہیں مثلاً "دشت شام" میں خود خالد نے کہا ہے ؎

بہن کے کوسنے ماں جائے کو نہیں لگتے
جو خود شناس ہو، تنقید سے نہیں ڈرتا

اس میں شک نہیں کہ خالد کی شاعری اور فن پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے لیکن اُن کے کمالِ فن، ان کی شاعرانہ عظمت مقصدیت اور شخصیت پر وفا راشدی کی مختصر کتاب ایک حسین و دلآویز تذکرہ ہی نہیں بلکہ بذاتِ خود تحقیق و تنقید کے سرمایہ میں بھی ایک انتہائی گراں بہا اضافہ ہے اور ہر لحاظ سے قابلِ صد ستائش۔

تنقید کی بات سامنے آئی ہے تو اس کتاب سے جناب وفا راشدی کی تحریر کا مزید ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"ایک مدت تک یہ موضوع ادبی حلقوں میں زیرِ بحث رہا ہے کہ خالد کی شاعری میں غیر مانوس تراکیب، عربی اور فارسی کے ثقیل اور غیر موزوں الفاظ، مشکل سے مشکل تلمیحات و اصطلاحات کی بھرمار ہے جن کی بنا پر ان کے اشعار فہم و ادراک سے بالاتر ہی نہیں شعری محاسن غنائیت اور لطافت سے بھی یکسر خالی ہوتے ہیں"

وفا راشدی کا اس ضمن میں جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض شاعرانہ چشمک، ادبی تعصب اور عصبیت کی وجہ سے تو ہو سکتا ہے لیکن حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عہدِ رفتہ میں مرزا غالب کے ساتھ بھی جو سلوک ہوا وہ اُردو ادب کا بہت بڑا المیہ ہے۔

اس پس منظر میں ایک شعر خالد کا بھی پیشِ خدمت ہے ؎

شعر خالد کو لوگ کہتے ہیں
ہے تو ہیرا، پہ نا تراشیدہ

لیکن اس شعر کو وفا راشدی نے خالد کی غزلیں، کے عنوان کے تحت اس عبارت کے ساتھ شامل کیا ہے کہ انھوں نے غزل کو ایک نیا اسلوب نئی آواز، نیا آہنگ دیا ہے۔ طرز فکر اور انداز بیان میں جدت طرازی اور الفاظ تراشی کے فن کو اُجاگر کیا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی نشانیوں کے بارے "مرج البحرین یلتقیٰن" آیا ہے کہ خدا نے کھارے اور میٹھے دو سمندر بنائے جو آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے جو آڑ بنا رہتا ہے اسے یوں کہیئے کہ کھاری اور میٹھا پانی متصل بھی ہے اور منفصل بھی۔

یہاں بس میں اتنا عرض کروں گا کہ مذکورہ دس عنوانات کے تحت جو مباحث آئے ہیں وہ صرف میٹھے پانی کی مثال ہیں اس لیے ان میں مماثلت اور یکسانیت خاص طور پر نمایاں ہے اس لیے اگر میں جستہ جستہ ان مباحث سے ایک دو سطریں درج کرتا چلوں تو نفس مضمون تک رسائی آسان ہو جائے گی۔ لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے علامہ خالد کو اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازا ہے۔ حالی کا دل، اقبال کا دماغ، ظفر کا مزاج اور ایک سچے مسلمان کا سیاسی شعور عطا کیا ہے۔"

(خالد کی ملی شاعری)

خالد عشق رسول سے جس طرح والہانہ دیوانہ وار سرشار ہیں وہ انہیں کا شرف ہے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کو حضور انور شہنشاہ دوجہاں رحمتُ للعالمین کی سیرت کے آئینے میں ڈھال دیا ہے۔

(خالد کا نظریہ فن حیات)

خالد کی عظمت اس بات میں مضمر ہے کہ وہ پہلے باعمل شخص ہیں اور بعد میں شاعر ان کا کلام محض قرآن و حدیث کی تفسیر نہیں ان کا دل بھی ضیائے محمدی سے منور ہے۔

وفا راشدی نے ایک عنوان کے تحت خالد کا یہ شعر لکھا ہے ؎

عورتیں نازک ہیں شیشوں کی طرح
اکتفا نظارہ چلمن پر کرو

پھر اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"خالد اُس نازک اندام کے حسن، رعنائی، دلکشی، دلفریبی اور خوشبو سے فطری اور روحانی لطف اندوزی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ لطف صرف نظارہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔"

اُنھوں نے بغیر کسی ابہام کے شاعر کے خود خال کے بارے میں وہ اس طرح ہے۔

"روشن پیشانی، بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں، ہنستا مسکراتا چہرہ، سُرخ و سفید کھلتا ہوا رنگ، پتلی پتلی لمبی لمبی انگلیاں، دراز قد، چوڑا سینہ تندرست، بھرا بھرا ورزشی بدن، باہر سے اکھاڑے کے پہلوان اندر سے دنیائے سخن کے مرد میدان، باہر کا آدمی وہ ہے جسے عبدالعزیز کہتے ہیں اور اندر کا آدمی وہ ہے جو خالد کہلاتا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وفا راشدی نے یہ کتاب لکھ کر ایک ایسے شاعر کی شخصیت اور فن کے بارے میں گراں قدر معلومات یکجا کر دی ہیں جو جس کے اواخر ۱۹۷۷ء تک تیس شعری مجموعے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ یہ نیاز مند خالد سے ایک بار ملا ہے۔ اور اب یہ کتاب پڑھ کر ایک بار اور ملنے کا آرزو مند ہے دیکھیں یہ آرزو کب پوری ہوتی ہے ؎

اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

توقیر صدیقی

کتاب "خالد۔ ایک نیا آہنگ"، جناب عبدالعزیز خالد کی ادبی سوانح ہے۔ جناب خالد کی شاعری چند اصناف سخن تک محدود نہیں بلکہ ان کی شاعری تمام اصناف سخن کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ انداز بیاں کی خوبی کے ساتھ ساتھ خالد کی شاعری میں الفاظ کی برجستگی اور تلمیحات کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ جہاں نعتیہ شاعری ہے وہاں عاشقانہ رنگ بھی ہے۔ ملی شاعری کی رنگینیاں بھی ملتی ہیں۔ خالد کی شاعری میں فکر کی بلندی اور خوشنوائی کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کی شاعری سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ماحول کے مطالعہ کے لیے ان کے پاس دیدۂ بینا ہے۔ معاشرے کے مسائل، زندگی کی ضرورتیں، انسانی درد و کرب، سماجی شعور غرض کہ اس قسم کے تمام نقوش ان کے مشاہدے میں آتے ہیں اور اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں جس کو وہ اپنی شاعری میں سمو کر امر بنا دیتے ہیں۔ اور اہل ذوق قاری یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خالد کی شاعری لفظوں کا گورکھ دھندہ نہیں بلکہ فہم و تجربات کا نچوڑ ہے۔ (قابل مبارک باد ہیں جناب وفا راشدی کہ انھوں نے ایک ایسی اچھی کتاب ترتیب دے کر ادب کی گرانقدر خدمت کی ہے۔)

ڈاکٹر نجم الاسلام

اس کتاب کو وفا راشدی صاحب نے اپنے اُستادِ مکرم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے نام معنون کیا ہے۔ وفا صاحب قابلِ رشک ہیں۔ کہ انہیں اپنے دور کی دو ایسی معزز و محترم اور بلند اخلاق کی مالک ادبی و علمی شخصیتوں سے استفادے کا موقع ملا ہے۔ جن کے اوصاف و کمالات کے سب معترف ہیں۔ یعنی حضرت وحشت کلکتوی اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں۔ اسی فیضان اور تربیت کی بدولت اُنھوں نے خالد جیسے عظیم اور عدیم المثال نعت گو کو اپنا موضوع بنایا۔ جو ان کی صحیح سوچ اور اعلیٰ پسند پر ایک دلیل ہے۔

عبد العزيز خالد

وشعره فى ديوان "فارقليط"

بقلم مولانا سعيد أشرف ندوى

لكل أمة صغيرة كانت أم كبيرة ، عالية كانت أم وضيعة أدب ، ولعله هو الناجية الناصعة الزاهية لتلك الأمة لأنه ينبىء عن مداركها ومبادئها فى الحياة الثقافية ومنابعها التاريخية ومستودعاتها الخلقية ومدى بلوغها مدارج الافصاح والتعبير عما يخالج مفكريها وشعرائها من الهواجس والخواطر الطيفة والمشاعر العميقة . فهذا الأدب يخلقه شعراء تلك الأمة وسماؤها وله آفاق واسعة غير محدودة .

والثقافة معقل حصين للأمة تتحصن فى دوائرها وأسوارها وخلقاتها وتتقوى . واللغة الأردية التى هى أقصر عمرا من أية لغة فى العالم لها أدب عال رفيع يحق به أن تزهو وترفع رأسها فى مجامع أداب اللغات العالمية الأخرى فقد حازت قصب السبق فى مضمار الآداب العالمية على صغر سنها وحداثة عمرها فنبغ فيها شعراء مرموقون كالشاعر القديم ولى دكنى وخواجه ميرداد وميرزا أسودا والشاعر الفذ مير الدهلوى ونظير وغالب وداغ الاكبرأباديين والدهلويين وناسخ وأتش وأنيس ودبير وأمير المنيائى اللكنويين وأمثالهم من القدامى وشرف قدوائى وسيد الأحرار حسرت الموهانى وأكبر وجوش واقبال وغيرهم من المتأخرين الشعراء كفانى وأصغر وجگر . كما لاينكر فضل مير حسن الدهلوى صاحب المثنوى المعروف باسمه ومرزا رجب على بيگ وسرور الاكبر آبادى ثم اللكنوى صاحب " أفسانه عجائب " وعمالقة طلسم هوشربا (الموسوعة القصصية الكبرى) التى تناهز ٢١ مجلدا والتى فاقت قصص الف ليلة وليلة فى حسن صياغة القصة واخراجها وتنوعها والابداع فى سبك تصنيفها . ومصنفات

السيد احمد الدهلوى مؤسس جامعة عليگره الاسلامية وزملائه حالى وشبلى وچراغ على ونذير احمد ومحسن الملك مهدى على ، ثم أدب مرزا رسوا وبيان أبى الكلام الدهلوى والسيد سبط حسن اللكنوى ومخطوطاتها ، ومنتجات الأدباء البارعين أمثال عبد الحليم شرر ومنشى سجاد حسين صاحب مجلة أودھ بنچ ومحمد على اطردىء الروائى الشهير وخواجه حسن نظامى ومصور الغم راشد الخيرى وخواجه محمد شفيع وظفر على خان صاحب جريدة زميندار فى لاهور واللغوى الشهير والمحامى الكبير السيد نور الحسن العلوى مؤلف نور اللغات فى ٤ مجلدات ضخمة وغيرهم من الكتاب المرسلين والمغلقين فى النثر والشعر الاردوى والخطباء المصقعين - كما لانكر فضل مثنوى گلزار نسيم وترانه شوق وعالم خيال وزهر عشق لأمراء الأدب والبيان فى اللغة الاردية من متأخرى أرباب صناعة الأدب ومتأخريها - وهم كثيرون من الأحياء والأموات الذين ساهموا بقسط كبير فى آداب اللغة الاردية وبلغوا شأوا بعيدا فى إجادة النظم والنثر والغزل بها بل ربما قد أتوا بمحاسن قصرت عنها همم من سبقهم نتيجة لناموس طبيعة الرقى والنهوض - والحقيقة التى لاينكرها أحد هى ان للرقى القومى له أواصر أصيلة فى لغة الأمة وحفظ مقوماتها . وباكستان ولاشك ماضية فى كسب سباق الفضل فى هذا المضمار عاملة على تشجيع شعرائها وأدبائها المعاصرون والأخذ بيدهم فى مجالات العلوم الأخرى الحيوية لاسيما فى هذا العصر الحديث الذى برزت فيه العلوم والفنون واحتلت جانبا كبيرا من حياة الأمم . واللغة الاردية ليست كما يتوهم البعض أنها لغة أخرجتها قلعة دهلى وأنها تتألف من ألفاظ هندية وتركية وفارسية فقط بل انها لغة المسلمين وعنوان ثقافتهم وحضارتهم وبالرغم من اكتساح اللغة الانجليزية لها التى أدخلها المستعمرون وفرضوها على شبه القارة وظهرت بها صحف ومجلات ومؤلفات ضخمة ، وتشجيع المستعمرين لها وظهور خطباء بارعون فى المجتمعات يخطبون ويتحدثون بها فان اللغة الاردية قد احتفظت فى الماضى كما احتفظت فى الحاضر بكيانها وأصولها ولبها ولبابها بفضل اللغة العربية ونحن فى هذه العجالة لانستعرض بالبحث والتفصيل عن شعرائها وأدبائها من القدامى والمعاصرين بل نقتصر البحث عن الشاعر المطبوع عبد العزيز خالد الذى ضمن له الخلود فى عالم الشعر الاردوى فقد امتاز شعره فى روعة الغزل سلامة الاسلوب ودقة المعنى وعمق الفلسفة فى التاريخ والأدب والسير وقد ظهر هذا واضحا فى أثره

الجديد ومصنفه " فارقليط " الذى أجمل السيرة النبوية الكريمة فى شعر رائع أخذ بمجامع القلوب واستولى على النفوس والأفئدة بما تحدث به عن شمائل الرسول الكريم صلى الله عليه وسلم فى حسن ورواء من المعانى والبيان والبديع . وبمصنفه هذا عن السيرة النبوية الكريمة قد ملأ الفراغ الذى تركه الشاعر المصلح المطبوع الطاف حسين حالى والسيد محسن العلوى الكاكوروى والمولوى احمد رضا خان والصوفى الصافى السيد عزيز صفى بورى فى التعريف بالسيرة النبوية الشريفة بعد العالم الجليل الملا جامى والامير خسرو رحمهم الله جميعا وكأن ديوان " فار قليط " هو تتمة لما أتى به هؤلاء العباقرة فى الاشادة والتعريف بمقام الرسول العظيم صلى الله عليه وسلم لاستيلاء شاعرنا " عبدالعزيز خالد " على مفاتيح كنوز اللغة الاردية والسيطرة عليها فأبدع بما ليس بعده إبداع - وقد ساعده على إبداعه المامه الواسع باللغات الحايثة والقديمة كالعربية واليونانية والسنسكريتية والفارسية وتمكنه تماما من الالمام باللغة الانجليزية وبراعته فيها - وقد نال ديوانه هذا جائزة الادب الكبرى التي منحها المثرى الكبير آدمجى . وديوان فارقليط لايعتبر ديوانا للشعر فحسب بل انه موسوعة علمية دينية جمعت أصول الدين وعقائده وشمائل الرسول العظيم صلوات الله عليه وسيرته الطاهره وقد وجهها الى الشباب الباكستانى لتوجيهه الى حظيرة الدين الصحيح ولايقدر هذا الديوان الامن كان له إلمام واسع باللغة الأردية حتى يستطيع أن يتذوق ماحوي هذا الديوان بين دفتيه من معان دقيقة ألهب بها الشعور والأحاسيس ونفخ فيها روح اليقظة والوعى لمعرفة ماضى الاسلام السعيد ومآثر الرسول العظيم فى أطوارحياته الكريمة التي كانت إشعاعا ومنهاجا وضاء أنار طريق النجاة للمسلمين .

وخالد - ليس عظيما فحسب فى شعره بل انه استطاع أن يغير المادة ويصهرها فى شتي الكيفيات ولأنه استطاع ايضا أن يجمل الأفكار والمعانى ويصبغها بلون جذاب يأخذ بمجامع القلوب - فهو من هذه الناحية شاعر اسلامى مطبوع أصبح ملكا للأمة الاسلامية بأسرها - فهو أينما صال وجال أتى بالاجادة والكمال .

ولم يكن (خالد) شعرا فحسب بل انه مترجم عبقرى قدير - ترجم كثيرا من مؤلفات الشاعر اقبال من الفارسية الى الاردية ، وترجم لشكسبير من الانجليزية الى الأردية وترجم لكتاب وأدباء من الانجليزية الى الادرية - وفوق ذلك فقد كان ضليعا فى علم الاقتصاد والاجتماع ضرب فيه بسهم وافر وتخصص فى دقائقه وبالرغم من انه كان موظفا حكوميا لم تشغله الوظيفة عن طموح نفسه العالية فى هذا المبدان وفى غيره من ميادين الشعر والفلسفة والاسلاميات .

حافظ بشیر آزاد

نذرِ عبدالعزیز خالد

اندازِ بیاں تیرا زمانے کی صدا ہے
اے دوست! تو آئینۂ اخلاص و وفا ہے

آثارِ تبسم کے ہیں پھر بھی ترے لب پر
گو دل میں ترے درد کا طوفان چھپا ہے

اے فکر و خیالات کے تابندہ ستارے
اِک دم سے ترے بزمِ ادب جلوہ نما ہے

اشعار میں پنہاں ہے ترے درس وفا کا
لفظوں کی روانی میں صداقت کا پتا ہے

یُوں تو ہیں زمانے میں سُخن ور بہت اچھے
لیکن ترا انداز زمانے سے جُدا ہے

اے راہ میں تھک کر نہ کبھی ہارنے والے
سچ ہے کہ ترا عزم چٹانوں سے بڑا ہے

ہر صبح ماحول پہ ہیں تیری نگاہیں
ہر شام کا منظر تری سوچوں میں بسا ہے

تُو نے ہی تو سوئے ہوئے انساں کو جگا کر
بیداریٔ احساس کا پیغام دیا ہے

ہر شعر ترا قوم کی آواز ہے خالد
ہر نغمہ ترا ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے

آزاد، غنیمت ہے کہ اربابِ ادب کو
اہمیّتِ خالد کا بھی احساس ہُوا ہے

تاثّرات

ڈاکٹر وحید قریشی

عبدالعزیز خالد کو یہ برتری حاصل ہے۔ کہ اُنہوں نے حمد و نعت کے حوالے سے بھی اُردو ادب کو بہت کچھ دیا۔ اور زبان کے حوالے سے اُردو کو نئے الفاظ سے مالا مال کیا۔

محمد طفیل

جناب من! خالد احمد کے سوا میری یہ بات سب سنیں
کہ یہ خود عالم نہیں۔ مگر اس نے کتاب عالموں کے لیے لکھ دی۔
اس نے ایسی ایسی ردیفیں اور قافیے باندھے کہ قارئین ہکا بکا رہ گیا۔
ہم ایسے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی کئی کئی بار لغت دیکھنی پڑی۔
——— اور عبدالعزیز خالد کو اس خالد کو دیکھنا پڑا ——— کہ یہ کون۔
میری مملکت میں آن دھمکا؟ ——— دونوں ناموں میں جو ایک لفظ سانجھا ہے۔ شاید یہ کرشمہ اسی ایک لفظ کا ہو۔ یا ساری علمیت اسی ایک لفظ میں بند ہو۔ ورنہ غیر خالدوں نے تو آج تک ہمیں ایسا پریشان نہیں کیا

(تشبیب ــــ خالد احمد کی کتاب ــــ کے بارے میں گفتگو مطبوعہ نیرنگ خیال سالنامہ ۸۶)

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری

کامل القادری: جدید شعراء، افسانہ نگار اور نقادوں میں حوصلہ افزا اُٹھان کس کس کی ہے؟

ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری: میں ۱۹۵۶ء سے وطن سے باہر رہا ہوں۔ لہٰذا نئی پود کی سرگرمیوں کا مجھے اچھی طرح علم نہیں اور نہ تمام مطبوعات ہی میری نظر سے گزری ہیں۔ ناصر کاظمی اچھا غزل گو شاعر ہے۔ گو اب غزل ختم ہو چکی ہے۔ اور اس میں بڑی شاعری کا امکان نہیں۔ عبدالعزیز خالد کی کچھ چیزیں میں نے دیکھی ہیں۔ بڑی تخلیقی صلاحیت ہے۔ اور اس کے استعاروں کا میدان بڑا وسیع ہے۔

(انٹرویو انکار کراچی)

سید وقار عظیم

عبدالعزیز خالد کا "فارقلیط" جعفر طاہر کا "ہفت کشور" مختار صدیقی کا مجموعہ "سی حرفی" اور یوسف ظفر کے کلام کے بہت سے حصے اس دینی رجحان کے نمایاں مظہر ہیں۔ جو قیام پاکستان کے بعد ہماری شاعری کا اہم موضوع بنا۔

ڈاکٹر محمد حسن

_____ پاکستان میں اُردو ادب تین مرکز ثقل کے درمیان تھا:

_____ ایک اسلامی محور: یہ پاکستانی ادب کا رشتہ مغربی ایشیا کی تہذیبوں سے ملاتا تھا۔ اور ادب میں دقیق فارسی اور عربی الفاظ کے دخول کا قائل تھا۔ اس کی مثال عبدالعزیز خالد کی طویل نظموں کے اسلوب میں ملتی ہے۔

جیلانی کامران

رُومان اور احتجاج کے رجحانات کے علاوہ اُردو نظم میں ایک نیا رجحان بھی ظاہر ہُوا ہے۔ جو "لفظ" کے استعمال کو مرکزی اہمیت دیتا ہے۔

_____ لفظ کا ایسا ہی رول عبدالعزیز خالد کی نظموں میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ مگر عبدالعزیز خالد کی نظم میں لفظ اپنے معانی کو جن منطقوں میں پھیلاتا ہے۔ ان منطقوں کے راستے ہمارے ماحول کے معاشرتی اور تمدنی انسان کے تجربے سے تعلق رکھتے ہیں۔ عبدالعزیز خالد انسان اور مختلف فکری منطقوں کے مابین لفظ کو بامعنی انداز میں استعمال کرتے ہیں۔ اور اس طرح نظم کو قاری کی ذہنی اور فکری تربیت کی ذمہ داری سونپتے ہیں۔

ڈاکٹر سیّد عبد اللہ

آپ ایکسٹرا آرڈینیری (Extraordinary) شاعر ہیں۔ آپ کی کتابیں یونانِ علم ہیں۔ ہمارے دل میں آپ کی بے حد عقیدت ہے۔ جو شرح و بیان سے بالا ہے۔

جمیل الدّین عالی

——— اور یہاں تو عبد العزیز خالد بھی ہیں۔ پنڈی، کراچی کے بعد پھر لاہور واپس۔ مگر وہ پہلے ہی بہت مشہور ہیں۔ ان کی فضیلت کسی عنوان محتاجِ تعارف نہیں۔ لیکن باید دانست۔ یعنی جاننا چاہیئے کہ خالد ایک فطین آدمی بھی ہے۔ وہ کم آمیز سمجھا جاتا ہے۔ مگر جب بے تکلّف ہوتا ہے تو عجیب عجیب پھلجھڑیاں چھوڑتا ہے۔ اس کی شانِ علم اس کو لطافتِ بیان پر حاوی ہو گئی ہے۔ ———

ورنہ وہ بھی آدمی ہے کام کا

جمیل الدّین عالی

ہم نے جب گلڈ اشاعت گھر قائم کیا۔ اور حکومت سے قرض مانگا۔ تو اس کا اعلان قدرت اللہ شہاب نے حسبِ عادت قرض ملنے سے بہت پہلے کر دیا آن کی آن میں خبر اُڑ گئی کہ حکومت کا ایک لاکھ قرض گلڈ کے خازن عبد العزیز خالد کھا گئے ہیں۔

بات اس خاکسار کی بھی ہوئی ہوگی۔ مگر چونکہ خازن عبد العزیز خالد تھے اس لیے انیس سو ساٹھ کے اجلاس عام منعقدہ لاہور میں کھلا سوال کیا گیا:

"وہ اشاعت گھر والا ایک لاکھ کہاں گیا؟ ذرا اس کا حساب دیجئے!"

سوال کرنے والے نے تلوار نکالی۔ "خالد صاحب جواب دیں!"

"وہ روپیہ ابھی خزانے سے وصول نہیں ہوا۔" میں نے جواب دیا۔ اور واپسی پر عبد العزیز خالد نے اپنے اعزازی عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ درویش آدمی ہے۔